جاسوسی
دنیا

# خوفناک جنگل

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۲

ابنِ صفی

مارچ ۱۹۵۲

# پیش رس

جاسوسی دنیا کا دوسرا ناول "خوفناک جنگل" ملاحظہ فرمایئے۔ جس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کہانی جنگل میں ایک عورت کی لاش سے شروع ہوتی ہے اور پھر محیرّ العقول اور سنسنی خیز واقعات کے جھرمٹ میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے منطقی انجام کو پہنچتی ہے۔

یہ آفریدی اور حمید کے ابتدائی دور کی کہانی ہے۔ جب انہیں موجودہ دور کی

سہولتیں اور وسائل میسّر نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ فریدی کی ذہانت اور اس کی بھرپور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ جس ہوشیاری اور نفسیاتی طریقے سے مجرم پر ہاتھ ڈالتا اسے دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

تفریحی ادب میں ابنِ صفی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ ان کی تحریروں میں قانون کی بالا دستی مجرموں کی بیخ کنی اور ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی چاشنی آپ کو ہر جگہ ملے گی۔ یہ بات بلا کسی خوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ اُردُو میں ابنِ صفی سے زیادہ کوئی اور مصنّف نہیں پڑھا گیا اور نہ ہی تعداد کے اعتبار سے اُس کی تصانیف کے ہدف کو کوئی دوسرا عبُور کرسکا ہے۔

اب ''خوفناک جنگل'' پڑھیے اور ابنِ صفی کے فن کو داد دیجیے۔

پبلشر

# جنگل میں فائر

گرمیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل آدھا گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ ایک سب انسپکٹر نے آکر جگا دیا۔

"کیا ہے بھئی، کیا آفت آگئی۔" وہ جھلّاتے ہوئے بولے۔

"کیا بتاؤں صاحب عجیب مُصیبت میں جان ہے۔ شائد پھر کوئی قتل ہو گیا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"شاید قتل ہو گیا ہے۔۔۔؟ کیا مطلب۔۔۔؟"

"ایک آدمی دھرم پور کے جنگلوں میں ایک لاش دیکھ کر اطلاع دینے آیا ہے۔"

"اس وقت دھرم پور کے جنگلوں میں اس آدمی کو کیا کام تھا، میرے خیال سے دو بج رہے ہوں گے۔" انسپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔

"میں نے اُس سے سوالات نہیں کیے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انسپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر کالر کے نیچے تک آئی تھی۔ بالوں پر جمی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت دُور کا سفر کر کے آ رہا ہے اس کی سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔

"کیوں صاحب۔۔۔ کیا بات ہے؟" سدھیر نے کڑے لہجہ میں پوچھا۔

"میں ابھی ابھی۔۔۔ دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آ رہا

ہوں۔" اس نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔" سدھیر نے کہا۔

"میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔"

"جلال پور سے؟ جلال پور یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کسی سواری پر آ رہے تھے؟"

"موٹر سائیکل پر۔۔۔ جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مُڑنے لگا تو میں نے سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلاؤز خون سے تر تھا۔ اُف میرے خدا۔۔۔ کتنا بھیانک منظر تھا۔۔۔ میں زندگی بھر نہ بھُلا سکوں گا۔"

"تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں؟"

"جی نہیں۔۔۔ میں یہیں اِسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملنے جلال پور گیا تھا۔"

”تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟“

”جنابِ والا! میں یہ قتل خود کر کے آپ کو اِطّلاع دینے نہیں آیا۔“ اجنبی نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔

”میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ پولیس کو اِطّلاع دے دوں۔“

”ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔!“ سدھیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں بھی اپنا فرض ہی ادا کر رہا ہوں۔۔۔ آپ کا کیا نام ہے؟“

”مجھے رندھیر سنگھ کہتے ہیں۔“

”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

”اُف میرے خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔“ اجنبی نے قدرے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ ”ارے صاحب میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔“

”چلنا تو پڑے گا ہی۔۔۔ خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، پھر سہی۔۔۔ داروغہ جی ذرا جلدی سے تین کانسٹیبلوں کو تیار کر لیجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہو اسے بھی بلوا لیجئے۔“

تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری پیٹر روڈ پر دھرم پور کی طرف جا رہی تھی۔ رات حد درجہ تاریک تھی۔ سنّاٹے میں لاری کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بے شمار خبیث ارواح ایک ساتھ مل کر چیخ رہی ہوں۔ لاری کے برقی لیمپوں کی روشنی دُور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔ سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرلانگ اُدھر ہی ایک بڑا سا درخت سڑک پر ِگرا ہوا نظر آیا۔

”ارے یہ کیا؟“ اجنبی چونک کر بولا۔

لاری درخت کے پاس آ کر رُک گئی۔ ”میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی آدھ گھنٹہ قبل جب میں اِدھر سے گزرا ہوں تو یہ درخت یہاں نہیں تھا۔“ اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

سب لوگ لاری سے اُتر آئے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کسے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے کہ آج آندھی بھی نہیں آئی۔ یہ بھی صاف کہ درخت کاٹا گیا ہے اور آدھے گھنٹے میں اتنے موٹے تنے والے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔"

"اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔" اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔" کوتوالی انچارج تیز لہجے میں بولا۔ "اب وہ جگہ یہاں سے کتنی دُور ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ دوڈھائی فرلانگ۔۔۔!" اجنبی نے جواب دیا۔

لاری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس والوں کے بھاری بھر کم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

"اُف میرے خدا۔۔۔!" اجنبی نے چلتے چلتے رُک کر کہا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ کوتوالی انچارج بولا۔

”کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔“ اجنبی نے بے چینی میں اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

”اے مسٹر! تمہارا مطلب کیا ہے۔“ کوتوالی انچارج نے گرج کر کہا۔

”میں نے وہ لاش یہیں دیکھی تھی۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر“!

”مگر مگر کیا کر رہے ہو۔۔۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

”یہی تو حیرت ہے۔“

”سرکار یہاں بھوت پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔“ ایک کانسٹیبل منمناتی ہوئی آواز میں بولا۔

”بکو مت!“ کوتوالی انچارج چیخ کر بولا۔ اس کا غصّہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔

”میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا۔“ اجنبی گلوگیر آواز میں بولا۔

”ابھی کہاں۔۔۔ اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔“ کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔

”خوامخواہ پریشان کیا، کیا تم نے رُک کر قریب سے لاش دیکھی تھی؟“

”جی ہاں۔۔۔ اس کے سینے سے خون اُبل رہا تھا۔“

”عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔“ کوتوالی انچارج نے جھک کر ٹارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں قسم کھا کر۔۔۔“!

”بس بس۔۔۔ رہنے دو۔ خوامخواہ وقت برباد کرایا۔“ کوتوالی انچارج نے اس کی بات کاٹتے ہو کہا۔

”میں کہتا ہوں سرکار بھوت۔۔۔“!

"ٹھائیں۔۔۔!" اچانک فائر کی آواز نے سب کو بوکھلا دیا۔ کوتوالی انچارج کا ہاتھ پستول کے کیس ہی پر تھا کہ دوسرا فائر ہوا۔ پھر تیسرا۔۔۔ چوتھا۔۔۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بہت سے آدمی بیک وقت بندوقیں چلا رہے ہوں۔ کوتوالی انچارج اور سب انسپکٹر نے اپنے پستول نکال کر درختوں کی آڑ لے لی۔ لیکن انہیں جلدی وہاں سے بھاگنا پڑا۔ کیونکہ ان کے پیچھے سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی۔۔۔ پھر دوسری اور ایک سپاہی لڑکھڑا کر گِر پڑا۔ وہ پھر اُٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ بدقّت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری بیک کر رہا تھا۔ قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہو گئے۔"

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ فائر اب تک سنائی دے رہے تھے۔ ایک سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

"لیکن۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ کہاں گیا۔" سب انسپکٹر نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جہنّم میں۔۔۔!" کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھ سے زیادہ احمق شائد

روئے زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کیے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم بخت کا پتہ بھی تو معلوم نہ ہو سکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی یہ ایک گہری سازش تھی۔"

"مگر صاحب۔۔۔ وہ کسی طرح بھی جھوٹا معلوم نہیں ہوتا تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بائیس سال سے اس محکمے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔" کوتوالی انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ "ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی بُو سونگھ لیتا ہوں۔ وہ شروع ہی سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا کام معلوم ہوتا ہے۔"

"ارے اس کا تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "واللہ بال بال بچ گئے۔"

"البتہ بے چارہ کرن سنگھ بُری طرح زخمی ہو گیا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "اب

میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب چُپ چاپ ہو گئے۔ البتہ کرن سنگھ کی کراہیں اب تک جاری تھیں۔ غنیمت یہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل گئی تھی۔

"کیوں نہ ہم لوگ پھر وہیں چلیں۔ اس طرح بھاگ نکلنا تو ٹھیک نہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو۔" انچارج بولا۔ "ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے ہی کیا۔ اُدھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس سے کم نہ ہوں گے۔"

"عجیب حماقت ہوئی۔" سب انسپکٹر آہستہ سے بولا۔

# سڑک پر جوتا

دوسرے دِن صُبح چھ بجے دھرم پور کا جنگل مسلح پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شُبے میں گرفتار کیے گئے۔ جن پر کوتوالی میں بے تحاشہ لاٹھیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو اتنی شدّت سے پٹے تھے کہ انہیں غش آگیا۔ لیکن نتیجہ صفر۔۔۔ کوئی خاص سُراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی مسلسل جانفشانی کے بعد معاملہ محکمہ سُراغ رسانی کے سپرد کردیا گیا۔

راج روپ نگر کیس کے شہرت یافتہ انسپکٹر فریدی اور سارجنٹ حمید کوتوالی پہنچ

چکے تھے۔ واقعات کا علم اُنہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کوتوالی انچارج وغیرہ کے بیانات دوبارہ سُنے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دِن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب وہ کوتوالی واپس آئے تو کئی چہرے طنزیہ انداز میں اُن پر مُسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس قسم کے واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سارجنٹ حمید نے ناک بھوں چڑھائی۔ اسے اُمّید تھی کہ فریدی جلد ہی کوئی سُراغ لگا کر اُس خِفّت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ سوچتے سوچتے دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”انسپکٹر صاحب۔۔۔!“ اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ بھی کتنے بدھو ہیں۔“

”کیا مطلب ہے؟“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”مطلب کیا؟ وہی مثل ہے۔۔۔ بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لا حول۔۔۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سُراغ مل گیا۔“ حمید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں مُجھ پر شُبہ ہے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھ ٹھوکیے۔۔۔ کہیے تو بتاؤں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں۔ خیر تم بتاؤ۔"

"موٹر سائیکل۔۔۔ ملزم نے اپنی موٹر سائیکل رات یہیں چھوڑی تھی نا۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں پہنچے۔۔۔ مجھے صُبح ہی کو خیال آیا تھا۔ لیکن بیکار۔ اس کی موٹر سائیکل قطعی ایسی نہیں ہو سکتی جو اُس کا پتہ نشان بتا دے۔" فریدی نے سِگار سُلگاتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔" حمید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کوتوالی انچارج کے ہمراہ وہاں پہنچے جہاں رات ملزم نے اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔ موٹر سائیکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"دیکھو۔۔۔ میں نہ کہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔"

"لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہو گا۔" حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی ریت دیا گیا ہے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھسیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔

"ہم لوگ نِرے گھامڑ ہی نہیں ہیں۔۔۔ فریدی صاحب۔" کوتوالی انچارج نے ہنس کر کہا۔ "پہلے ہی دیکھ کر اطمینان کر چکے ہیں۔"

"لیکن ٹھہریئے۔۔۔!" فریدی نے زمیں پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ایک بات نہ دیکھی ہو گی۔"

"کیا۔۔۔؟"

"یہی کہ کمپنی کا نمبر یہیں کوتوالی میں اِسی جگہ آج ہی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔"

"جی۔۔۔!" کوتوالی انچارج نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔ یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لوہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔“

”اُفّوہ۔۔۔ بڑی غفلت ہوئی۔“ کوتوالی انچارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”انہیں باریکیوں کے لیے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔“ سرجنٹ حمید نے تن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس سے کیا۔۔۔ ملزم بہر حال ابھی تک پردۂ راز ہی میں ہے۔“ کوتوالی انچارج نے جھنجھلا کر کہا۔

”جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔“ حمید نے مُسکرا کر کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دُور نہ میدان۔“ کوتوالی انچارج نے جانے کے لیے مُڑتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ حمید فاکس ٹراٹ کی دُھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوتوالی انچارج کو مخاطب کر کے بولا۔

”داروغہ جی۔۔۔ اب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔“

”کیوں۔۔۔ میں ہی تھا۔“ کوتوال چونک کر بولا۔

”آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب انسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ اُن میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے اس لیے ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوتوالی ہی کے حلقے میں ہے اس لیے قتل وغیرہ کے سلسلے میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا یقینی ہو سکتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔“ کوتوالی انچارج نے بے چینی سے کہا۔

”اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شُبہ کس پر ہے۔“

”بھلا میں کیسے بتاؤں؟ شہر کا ہر بدمعاش میرا دُشمن ہو سکتا ہے۔“ کوتوالی انچارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”بہر حال آپ ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

”حمید صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا“!

"حمید تم چپ رہو۔“ انسپکٹر فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چوراہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟“

”ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، کچھمن پور، لیکن اس کا فاصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔“ انسپکٹر فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچّے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مرد تو یہیں حوالات میں ہیں۔"

"تب تو اور بھی اچھا ہے۔" حمید نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا اور وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ لیکن یہ سنجیدگی اتنی مضحکہ خیز تھی کہ بھلا یا ہوا کوتوالی انچارج بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حمید کی بے وقت کی ظریفانہ حرکتیں فریدی کو اکثر بُری کھل جاتی تھیں۔ اُس کی اِسی عادت کی بناء پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے تُکی باتوں پر سخت غصّہ آ رہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد اُس کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

لچھمن پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب انسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوتوالی انچارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر چلی جا

رہی تھی۔

"انسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سب انسپکٹر بولا۔ "خود آپ بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شُبہ نہ کرتے۔"

"یہ سب کچھ درست ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اس کا صحیح پتہ نشان دریافت کیے بغیر ہرگز اُس کے ساتھ نہ جاتا۔ حیرت تو اِس بات پہ ہے کہ سدھیر صاحب نے روانگی لکھنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔"

"نہیں صاحب۔۔۔ روانگی تو لکھی گئی تھی۔" سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

"داروغہ جی میں کوئی بچّہ تو ہوں نہیں، کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی گئی ہے۔" فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں۔۔۔ آپ کا محکمہ یوں بھی ہم لوگوں کے متعلّق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ

روانگی حادثے کے بعد لکھی گئی ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روزنامچے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سر تاج ہوٹل کا ایک ایک چپّہ پولیس کا دیکھا ہوا ہے۔ اس جیسے بدنام ہوٹل کا نقشہ تو میرے خیال سے معمولی سے معمولی کانسٹیبل کے ذہن میں بھی ہوگا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپہ مار چکی ہے۔"

"اصل واقعہ مُجھ سے سنئے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ گچھ کیے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ بعد میں سدھیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ واپسی پر جب وہ روانگی لکھنے بیٹھے تو گھبراہٹ میں کمرے کا نمبر غلط لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے روانگی ہی دیکھی تھی۔ اس وقت سدھیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبل ملزم کے حلیہ کے لیے مجھے دوبارہ روانگی دیکھنی پڑی۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلیڈ سے کھرچ کر اُسی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا تھا جس کی سیاہی کاغذ کھردرا ہو جانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔" فریدی خاموش ہوگیا اور سارجنٹ حمید ہنسنے لگا۔

"صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے جھینپ مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ آپ لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات رکھنے پر مجبور ہیں۔ آخر کوئی حد بھی ہے۔ کوتوالی میں رکھی ہوئی موٹر سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر بھی نہ ہو؟"

"واقعی یہ چیز ضرور حیرت انگیز ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ کوتوالی کا کوئی فرد سد ھیر صاحب کی جان کا دُشمن ہے یا پھر اُن کے دُشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمّت نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔ لیکن وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

کار چھمن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان بین کرنے کے بعد بھی کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ البتّہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائروں کی آوازیں سُنی تھیں۔ لیکن یہ اُن کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دِن شکاریوں کی بندوقیں چلا ہی کرتی تھیں۔

واپسی میں سب انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب کیا بتاؤں۔۔۔ واقعی ہم لوگوں نے سخت غلطی کی کہ ملزم کا پتہ معلوم کیے بغیر اس کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی گئی تھی۔"

"لیکن مجھے اُمّید ہے آپ لوگ یہ بات اپنے تک ہی رکھیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی خاموش تھا۔ اس کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار بجھ چکا تھا۔ دِن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کوئی خاص نتیجہ

برآمد نہیں ہوا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اُس کی تفتیش کا ایک دِن اس طرح ضائع ہو رہا تھا۔

"اگر میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھی تو اِسے راز ہی رکھوں گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگ گیا۔

"شکریہ۔۔۔!" سب انسپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برقی روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یک لخت سڑک کے بائیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیڈر نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دائیں کنارے کی جھاڑیوں میں گھُس گئے۔ ان میں سے ایک کے منہ میں دبی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی۔ کار تیزی میں اُسے روندتی ہوئی آگے نکلی جا رہی تھی کہ دفعتاً فریدی چیخا۔ "حمید!۔۔۔۔ روکو۔۔۔ روکو۔"

کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

”کیا بات ہے۔“ انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

”آیئے۔۔۔ آیئے۔ حمید ذرا مجھے ٹارچ دینا۔“ فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

ٹارچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔ فریدی نے جوتے کو اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

”جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ یہاں کیسے آیا؟“ حمید نے کہا۔

”یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔“ فریدی جوتے پر نظریں جمائے آہستہ سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تار سا بندھ کر رہ گیا تھا۔ اس تھوڑے سے وقفے میں یکّے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات تیزی سے آئے اور چلے گئے۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں گھُس پڑا جدھر سے گیدڑ آئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں جھاڑیوں سے اُلجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید اور سب انسپکٹر بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ انہیں اس کے اس رویہ پر

سخت حیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

دفعتاً فریدی رُک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسری طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب انسپکٹر اور حمید بھی رُک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی مُڑ کر بولا۔ ”داروغہ جی آپ بھُوتوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اُس پر کپکپی طاری ہو گئی۔

”مطلب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ٹانگ زمین کے اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو؟“

”غالباً روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”اچھا تو پہلے تم ہی آؤ۔۔۔!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"ضض۔۔۔ ضرور۔۔۔ بھ۔۔۔ بھُوت۔۔۔!" حمید ہکلانے لگا۔

"بس رُخصت ہو گئی ساری شرارت۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "آیئے داروغہ جی آپ بھی دیکھئے۔"

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ میں۔۔۔!" داروغہ جی حمید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمّت نہ کر سکے۔

"بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آیئے میرے ساتھ۔" فریدی کہتا ہو جھاڑیوں میں گھُس گیا۔ حمید اور سب انسپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی زمین سے ایک انسانی پیر باہر نکلا ہوا تھا۔ پتلون کا پائنچا کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ننگے پاؤں میں لمبی لمبی خراشیں تھیں۔

"کیا سمجھے؟" فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مُڑ کر بولا۔

دونوں خاموشی سے اس کا مُنہ تکتے رہے۔

"جوتا اِسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھود دی ہے۔ وہ لاش کی ایک

ٹانگ نکال پائے تھے کہ موٹر کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اِس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوجہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔ ارے بھئی۔۔۔ یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"جو بتائے وہ کیا جائے۔" سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"آؤ مٹّی ہٹا کر اسے نکالیں۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "حمید تم ٹارچ دکھاؤ۔"

فریدی اور سب انسپکٹر نے مٹّی ہٹانی شروع کی۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ لاش کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

"ارے۔۔۔!" سب انسپکٹر چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

”یہ وہی ہے! خدا کی قسم وہی ہے!“ سب انسپکٹر بے اختیار چیخ اٹھا۔ ”وہی جو ہمیں کل رات یہاں لایا تھا۔“

”بہر حال۔“ فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”بعض اوقات میرے ہوائی قلعے بھی سچّے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی اُمّید تھی۔“

”بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو عقل چکر کھا رہی ہے۔“ سب انسپکٹر پریشانی کے لہجے میں بولا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلّق اظہارِ خیال کرتے رہے۔

”خیر اب یہاں اس طرح کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آیئے اِسے اُٹھا کر کار تک لے چلیں۔“ فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

# پُراسرار ضلع دار

اس نئے انکشاف پر دوسرے دِن سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خودکسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کوتوالی ہی میں تھی۔ فریدی اور چند دوسرے جاسوس لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ مقتول ایک قبول صورت اور نو عمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے ظاہر تھا کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ موٹر سائیکل کا لائسنس نمبر اور کمپنی کا نمبر۔۔۔ دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت اُلجھن

میں پڑ گیا تھا۔

"ابھی تک تو خیال کا خیال بھی ندارد ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ آپ کس طرح سمجھے کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا؟"

"تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائن پر کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کوتوالی انچارج کے بچ نکلنے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو کہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتا نہ دے؟" سارجنٹ حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی بولا۔ "اندھیرے میں سہواً بھی گولی لگ جانے کا امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکر مان لیا جائے کہ وہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا؟ محض اس لیے کہ ایسی صورت میں اُسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟ اگر انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ وہ اس کی وجہ سے پہچان

لیے جائیں گے وہ اسے کبھی کوتوالی نہ بھیجتے۔ اگر انہیں اِس کا خدشہ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے لیے انتظام مکمّل ہونے کے باوجود بھی اِس کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ چاہیے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اپنی جان دینا چاہتے تھے۔ یا بالکل ہی احمق تھے۔ کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس والے کسی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آگئے تو کیا ہو گا۔ اس کی لاش دفن کر دینا ان کے لیے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جبھی انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منظّم گروہ کی ہے تو یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی پرائے یا آسانی سے پہچان لیے جانے والے آدمی کو ایسے کاموں کے لیے نہیں منتخب کرتا۔ اس کے لیے وہ ہمیشہ کسی نئے آدمی کو پھانستا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔"

"چلئے میں نے مان لیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر

مجرموں کو خاص طور اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چیلنج کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرح انہوں نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہی مار کر دفن کر دیتے۔"

"تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ اس طرح انہوں نے پولیس کو غَلَط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تمہاری گم شدگی یقیناً کچھ دِنوں کے بعد لوگوں کو تمہارے متعلّق سوچنے پر مجبور کر دے گی۔"

"اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایسی ہے جسے کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لیے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا لیکن اگر مجھ میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں گا۔ اب اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر

رہے ہو اور مجھے مردہ سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں پہلے ہی سے تیّار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بن جاؤ گے۔ گولیوں کی اندھا دُھند بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسرے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاش پہلے سے کھُدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں اپنے ساتھ نہ پائیں گے تو تمہارے متعلّق اُن کا شُبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور تمہیں مجرم سمجھ کر تمہاری تلاش شروع کریں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں ہی مجرم بھی بنوا دوں گا اور خود مطمئن ہو کر مزے کروں گا۔ کیا سمجھے۔۔۔! اور پھر اگر میں زیادہ ذہین ہوا تو پولیس کے شُبے کو مزید تقویت دینے کے لیے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب کر دوں گا۔ وہ بھی پیچ کو توالی سے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا اور آخر کار انہی کی بدولت میری

گرفتاری بھی عمل میں آئے گی۔"

"مگر صاحب! نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ شخص مجرموں کا ساتھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی یہ ہے جاسوسی کا معاملہ۔۔۔ عشق کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ دل کے فرمان پر عمل کیا جائے۔ یہاں تو صرف دماغ کی باتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔" فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو سلگاتے ہوئے کہا۔

"خیر چلئے! اگر میں اسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے گھنٹے میں اتنے تناور درخت کو کاٹ گرانا قطعی ناممکن ہے۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاٹنے کا کام صُبح ہی سے شروع کر دیا گیا ہو اور اس کا اتنا حصّہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ بقیہ حصّہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر درخت گرایا جاسکے؟"

"تم نے شاید غور نہیں کیا۔۔۔ اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔

غالباً یہ کام ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے حالانکہ مجھے اس میں شُبہ ہے بظاہر ڈسٹرکٹ بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹوا بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی سرکاری ادارہ اپنی ذمّہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ دے جو آدھے گھنٹے کی محنت سے گرایا جا سکے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھرکم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا ایک جھونکا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔"

"واقعی مانتا ہوں۔" حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "واللہ آپ کو تو اسکاٹ لینڈ یارڈ میں ہونا چاہیے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو دیکھ لیجئے کہ آپ آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکے۔"

"تو میں چیف انسپکٹر ہونا کب چاہتا ہوں؟" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "چیف انسپکٹر ہونے کے بعد میری حیثیت ایک کلرک کی سی ہو جائے گی اور یہ تو تُم جانتے ہی ہو کہ میں اس لائن میں پیسہ پیدا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لالچ ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ موجود ہے کہ بیکار رہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی بسر

کر سکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیویٹ جاسوسوں کے لیے قانوناً کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی سر دردی مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں اسی حیثیت سے اپنی کھوجی طبیعت کو تسکین دے لیتا۔"

"آپ کہیں گے میں چاپلوسی کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔"

"اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چنا بھی سمجھتے ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر آپ عورتوں سے کیوں دُور بھاگتے ہیں؟ شادی کیوں نہیں کرتے؟"

"پھر وہی عورت۔۔۔!" فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آخر تمہارے سر پر عورت کیوں سوار ہے؟ کہیں سے بات شروع ہو آپ کی تان ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹتی ہے! یہ کیا حماقت ہے؟"

”آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔“حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”اچھا بکو مت۔۔۔ ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر چلیں۔“

ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ان دونوں کی آمد سے بھونچال سا آگیا۔ معمولی سے چپڑاسی سے لے کر چیئرمین تک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیف گورنمنٹ کے کسی بھی شعبے کے دفتر میں کسی جاسوس کی غیر متوقع آمد وہاں کے کارکنوں کے لیے بڑی معنی خیز ہوتی ہے۔ ان کے سارے گزشتہ جرائم اور دھاندلی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں اور ہر شخص غیر شعوری طور پر ہتھکڑیوں کے جوڑے کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی کے کام کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملنا چاہتا ہے جو دھرم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو اُن کی جان میں جان آئی۔ دھرم پور کے جنگلوں کا حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ یہی سمجھے کہ یہ لوگ ضمنی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہیں۔

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔

"تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دونوں کے چہرے فق ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

"تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرایا تھا؟"

"صاحب! سڑک کی طرف تو ہم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرایا۔" ان میں سے ایک بولا۔

"یاد کرو وہ پیپل کا درخت جو چوراہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔"

"نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔"

"خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا

چلنے پر خود گر جائے۔"

"نہیں تو۔۔۔ مگر صاحب۔"

"صاف صاف بتاؤ۔" فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

"مجھ سے سُنئے صاحب!" دوسرا بولا۔ "اب تو غلطی ہو ہی گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے گی بھگتنی ہی ہو گی۔"

"ہاں ہاں ڈرو نہیں۔۔۔ ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ مگر سچائی شرط ہے۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

"خدا آپ کو خوش رکھے۔۔۔ ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس۔۔۔"

"ہاں ہاں کہو"!

"صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہو گئی تھی۔

اور درخت اتنا کٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں میں رسی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرایا جا سکتا تھا۔ ہم لوگ ستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرادیں کہ اچانک کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چونک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ 'ہائے مار ڈالا۔۔۔ ہائے لوٹ لیا' کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ کورٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کر کے لا رہا تھا کہ اچانک دو آدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ قریب ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لیے ہم چاروں غُل مچاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے راستے پر دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رُک گیا اور ایک جھاڑی سے ایک تھیلی اٹھا کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھیلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ اُن بدمعاشوں کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھیلی زمین پر اُلٹ دی اور بیٹھ کر روپے گننے لگا۔ واقعی اس تھیلی میں سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ

شہر چلیں کیونکہ وہ پولیس میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بدمعاش پھر نہ مل جائیں۔ ہم لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سو روپے دینے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ ہم لوٹ کر آئے اور کلہاڑے وغیرہ سنبھال کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سو روپوں کے لالچ نے ہمیں یہ بھی نہ سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ اب پولیس میں رپورٹ کرنا بے کار ہی ہے کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خانے میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دیسی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہمارے منہ میں پانی بھر آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا لیکن اور دوسری کھانے پینے کی عمدہ چیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہو گیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ ہم نے کتنی پی۔ بہرحال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔۔۔ غالباً اس وقت رات کے تین بج رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔"

"بہر حال۔۔۔!" فریدی لمبی سانس لے کر بولا۔ "میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔۔۔ اچھا یہ تو بتایئے کہ تم نے ضلع دار کو اس سے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔"

"جی نہیں۔۔۔ ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے؟"

"اچھی طرح سرکار۔۔۔ اچھی طرح۔" دونوں بیک وقت بولے۔

"اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔"

"حلیہ کیا بتاؤں سرکار۔۔۔ اچھا خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی سیاہ مونچھیں تھی۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ بات بات پر بچوں کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا مگر صاحب اس کے دانت بڑے چمکیلے تھے۔ مجھے اس کے دانت بالکل بھیڑیے کے دانتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ ہنس مکھ آدمی ضرور تھا لیکن ان دانتوں کی وجہ سے اس کی

ہنسی بھی بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔"

"تم اسے دیکھ کر پہچان لوگے؟"

"برابر سرکار۔۔۔"!

"اچھا دیکھو۔۔۔ ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر میں تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ اپنے اس دو ساتھیوں کو سمجھا دینا کہ اس کے متعلّق کسی سے کوئی بات نہ کریں۔"

"مجال ہے سرکار کہ آپ کے حکم کے خلاف ہو جائے۔ ہم لوگ بالکل چُپ رہیں گے۔" اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"کہو بھئی اب کیا خیال ہے؟" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بھلا آپ سے غلطی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اب کیا کرنا چاہیے؟"

"بس دیکھتے رہو۔۔۔ اب چٹکی بجاتے مجرم ہماری گرفت میں ہوں گے۔" فریدی

نے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا!" حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔۔۔ ایک عورت کی لاش تم نہایت آسانی سے تیّار کر سکتے ہو۔ وہ لاش یقیناً نقلی ہو گی۔"

"موٹر سائیکل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائسنس کا نکال لینا تو مشکل کام نہیں لیکن کمپنی کا نمبر ریتنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے ریتی چلنے کی آواز بھی نہ سُنی۔" فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

"حمید! میں دراصل اسی لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے اچانک یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ لو سنو! کیا تمہیں یاد نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کار بگڑ گئی تھی اور ڈرائیور بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس انجن کے

شور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سُنی جا سکتی ہے؟ تقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موٹر سائیکل کا نمبر اس دوران میں ریتا گیا تھا۔ لیکن ریتنے والا کون ہو سکتا ہے؟ کسی باہر کے آدمی کی ہمّت نہیں پڑ سکتی۔“

”تو پھر آپ کا شک کس پر ہے؟“

”ابھی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔“ فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہوئے کہا ”کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکّر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبردست غلطی ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی۔ بغور جائزہ لینا چاہیے تھا۔ بہت ممکن تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔“

# شرابی گیدڑ

لاش بر آمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں مسلح پولیس کے ایک دستے نے اپنے خیمے گاڑ دیے تھے جس وقت انسپکٹر فریدی اور سارجنٹ حمید وہاں پہنچے تو انہوں نے انہیں جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ اس نے انہیں سلام کیا۔

"کیوں بھی کوئی خاص بات؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں حضور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اس گڑھے کی طرف کوئی دکھائی تو نہیں دیا تھا؟"

"گڑھا ملا ہی نہیں۔" کانسٹیبل نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" فریدی نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیا ہدایت دی گئی تھی۔"

"حضور! ہم سے ایک گڑھے کے بارے میں کہا ضرور گیا تھا لیکن یہاں پہنچنے پر ہمیں کوئی گڑھا نہیں دکھائی دیا۔"

فریدی اور حمید تیزی سے جھاڑیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کسی نے گڑھے کو پاٹ کر زمین برابر کر دی تھی۔

"لیجئے۔۔۔ یہ دوسری رہی۔" فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ دونوں کانسٹیبلوں کی طرف مُڑ کر بولا۔ "ذرا اپنے انچارج کو تو بلاؤ۔" دونوں چلے گئے۔

"مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "بھلا اس کی کیا

ضرورت تھی؟"

"جی نہیں۔۔۔ وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی ایک کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہیے تھا جب تک کہ مسلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟"

حمید نے سر ہلایا۔

"مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سُراغ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔"

"تب تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔

"کیوں صاحب! آپ کو کیا ہدایت دی گئی تھی؟" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جناب والا! ہم رات سے اس گڑھے کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف مُڑتے ہوئے کہا۔ "سرسری طور پر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہاں کوئی گڑھا تھا ہی نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے اچھے دھوکا کھا جائیں۔"

"اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلیوں کے نشانات قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"حمید صاحب اتنی جلدی خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اس مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر بڑا سے بڑا مجرم بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔"

"بہر حال مجرم کی یہ دوسری حماقت اس کے سُراغ کے لیے کافی ہو گی۔ اگر کافی نہ بھی ہو تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہو جائے گی۔" حمید نے جھک کر

دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سب سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پاٹنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے سگار کا دُھواں چھلّوں کی شکل میں نکالتے ہوئے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سُراغ مل جائے یا مقتول کی شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندیشہ رہا ہو۔“

”لیکن اسی صورت میں بھی گڑھے کو پاٹنے کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام پولیس کے پہنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد ہی یہ حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو۔۔۔“

”جی ہاں۔۔۔ ورنہ آپ لوگ تو کافی مستعد رہے۔“ فریدی نے انچارج کی بات

کاٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اچھا اب اسے دوبارہ کھودنے کا انتظام کرنا چاہیے۔"

انچارج نے تین چار کانسٹیبلوں کو بُلا کر گڑھا کھودنے کے لیے کہا لیکن اُن لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جا سکتی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ لچھمن پور سے کچھ مزدور بلا لیے جائیں۔

"کیا اسے کھودنے کے لیے آپ لوگوں کی سنگینیں کافی نہیں؟" حمید نے کہا۔

"بعض اوقات معمولی باتیں بھی دیر میں سوجھتی ہیں۔" انچارج نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

کانسٹیبلوں نے اپنی سنگینوں سے زمیں کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل کی سنگین نے کسی چیز سے ٹکرا کر چھنّا کا پیدا کیا۔

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔!" فریدی جھکتے ہوئے چیخا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹّی ہٹانی شروع کر دی۔

"یہ لیجئے۔۔۔ کوئی اور نئی مصیبت۔۔۔!" فریدی نے گڑھے میں سے ایک وزنی تھیلا باہر کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا!" سب نے بیک وقت کہا۔

فریدی نے تھیلے کا منہ جو رسّی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔

"یا مظہر العجائب!" کہتا ہوا حمید اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ ایک گیدڑ کی لاش تھی جس کے منہ میں تمباکو پینے کا پائپ دبا ہوا تھا اس کے ساتھ شراب کی دو خالی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے ایک سنگین لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ گیدڑ کے سینے پر ایک کاغذ بندھا ہوا تھا جس پر غالبؔ کا یہ مقطع لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ

شرم تم کو مگر نہیں آتی

فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اُسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔ فریدی برابر ہنسے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی ہنسی اتنی بھیانک ہونے

لگی کہ کئی ضعیف الاعتقاد کانسٹیبل وہاں سے چُپکے سے کھسک گئے۔ ان میں بہتیروں کا خیال یہ تھا بلکہ قرب و جوار میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصّہ بھُوتوں کا اڈّہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نشہ آور کیفیّت طاری تھی جس کے تحت وہ ہنسے ہی جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قہقہے مضمحل ہوتے گئے اور آخر کار وہ چکرا کر ِگر پڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

"ارے یہ معاملہ کیا ہے؟" انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔

"نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔" حمید نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔

"اب کیا کیا جائے؟" حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حمید صاحب! اب تو میرا ابھی یہی خیال ہے کہ یہ ضرور کوئی شیطانی کارخانہ ہے۔" انچارج نے لرزتے ہوئے کہا۔ "گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب؟ اور پھر اس

کے ساتھ شراب کی بوتلیں اور منہ میں دبا ہوا پائپ اور وہ شعر۔۔۔ ایسی عجیب باتیں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔"

"وہ تو سب کچھ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو ہوش میں کس طرح لایا جائے؟" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سرکار یہ تو کوئی پھونک جھاڑ کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"لغو۔۔۔!" حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی میرے ساتھ کر دیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔"

حمید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بے ہوش فریدی کو کار میں ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں فریدی کو ہوش آ گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ "حمید ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"اوہ۔۔۔ آپ ہوش میں آ گئے۔" حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مُڑ کر

کہا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

"بڑا بھیانک پلاٹ تھا۔۔۔ وہ گیدڑ اور بوتلیں کہاں ہیں؟"

"وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔"

"ارے۔۔۔!" فریدی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ "بڑے احمق ہو تم۔ چلو فوراً کار واپس لے چلو۔ جلدی کرو"!

کار دوبارہ واپس جارہی تھی۔

"کہو بھئی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا؟" فریدی نے کہا۔ "سمجھ میں سب آگیا لیکن اگر کہوں گا تو خواہ مخواہ مجھے ہی احمق بننا پڑے گا۔"

"آخر کچھ تو کہو۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھُوتوں سے بھری پڑی ہے۔"

"پھر وہی حماقت کی بات۔"

"میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔"

"تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ دوسری چال چلی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھُوتوں کا ہاتھ ہے۔"

"لیکن آپ کے اس طرح قہقہے مار کر بیہوش ہو جانے کا کیا مطلب تھا؟"

"اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جب سنگین نے بوتل سے ٹکرا کر چھنّا کا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لیے جھکا تھا۔ جیسے ہی میں جھکا ایک تیز قسم کی بُو نے میرا دماغ پراگندہ کر دیا۔ اس وقت میں نے اسے کوئی اہمیّت نہ دی لیکن اس کا اثر آہستہ آہستہ میرے دماغ پر ہو رہا تھا۔ جیسے ہی گیدڑ کی لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی

ہیبت کذائی دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ آخر میں ہنسی کیوں نہ روک سکا جبکہ اور لوگ خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری ہنسی نہ رُک سکی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بوتلوں میں کسی قسم کی گیس تھی جس کے اثر سے میری یہ حالت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بوتل کے منہ پر ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔ خدا کرے ان احمقوں نے اسے کھولا نہ ہو۔ ورنہ ایک بہت ہی اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔"

"اف میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بدمعاشوں کا اڈّہ یہیں کہیں قریب ہی ہے ورنہ اتنی جلدی اتنا مکمّل پلان بنا لینا آسان کام نہیں۔ بھئی ذرا کار کی رفتار اور تیز کرو کہیں ان میں سے کوئی اس بوتل کو کھول نہ ڈالے۔"

حمید نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد ہی ایک کانسٹیبل نے خالی بوتل اٹھالی اور اس کا کارک نکال کر سُونگھنے لگا۔ اچانک اس پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کانسٹیبل اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب بُری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی انہوں نے بیک وقت جلدی جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کئی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "چاہے نوکری رہے چاہے جائے۔۔۔ وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔"

"تم لوگ ڈرو نہیں۔" فریدی نے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بوتل نہ کھولتا تو کبھی اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب تم میں سے کوئی بیہوش نہ ہو گا۔ لیکن اس کا افسوس ہے کہ اس نے اپنی بے وقوفی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"ان بوتلوں میں کوئی نشہ آور اور ہنسانے والی گیس بند تھی۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہنسانے والی گیس۔۔۔" انچارج نے کہا۔ "رُلانے والی گیس تو میں نے دیکھی ہے لیکن ہنسانے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سُنا۔"

"اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسانے والی گیس بنانے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے؟ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔"

"مگر صاحب! آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" انچارج نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہو گئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔"

گیدڑ کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے آتشی شیشہ نکال کر بوتل کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"افسوس کہ اس کانسٹیبل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور نشان اس

بوتل پر نہیں اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے۔۔۔ان پر بھی کچھ نہیں۔۔۔"!

"مگر وہ شعر۔۔۔!" حمید جلدی سے بولا۔ "کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آ گئی۔"

"بہت اچھے۔" فریدی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مگر حیرت ہے کہ مجرم اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی یہاں کیسے چُوک گیا۔ ذرا لپک کر وہ کاغذ کھولنا۔"

گیدڑ کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلٹا تو اس کا منہ بُری طرح لٹکا ہوا تھا۔

"اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔" اس نے کہا۔

"کیا؟"

"یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔"

"یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیسے کی!" فریدی

نے کہا۔ ”حمید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معمّہ ہاتھ آیا ہے۔“

# عجیب و غریب چڑیا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا اس کی آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیدڑ کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کانسٹیبل آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ حمید گڑھے کی بقیہ مٹّی نکال نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔ اسے اب بھی اُمّید تھی کہ جلد ہی کوئی چیز مل جائے گی۔ جس سے سُراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کر رہی تھی۔ دفعتاً وہ چونک پڑا، اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اُٹھ کر گڑھے کے پاس گیا۔ اور پھر

وہاں جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دُور جا کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور بُلند آواز میں بولا۔

"حمید۔۔۔ حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤں۔"

حمید ہاتھ کی مٹّی جھاڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

"یہ دیکھو!" فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔"

"ارے بھئی۔" فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں یہ کسی چڑیا کے پنجوں کے نشان ہیں۔"

"تو کیا یہ عجیب بات نہیں؟"

"عجیب بات!" حمید قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو اِس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ بھلا کسی چڑیا کے پنجوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے؟"

"بھئی مان گیا۔" فریدی ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا؟"

"یہی کہ تم زندگی بھر ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔"

"چلئے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتایئے کہ ان نشانات میں عجیب بات کون سی ہے۔"

"زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "ابھی تک بارش بھی نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چڑیا کے پنجے اِتنے گہرے نشانات نہیں بنا سکتے۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس چڑیا کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہو گا اور اتنے وزن کی چڑیا کے ساتھ اتنے چھوٹے چھوٹے پنجوں کا تصوّر انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ ذرا سوچو تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے کسی اونٹ کو چڑیا کے پنجے عطا کر دیے گئے ہوں۔ اور دوسری بات دیکھو یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار چار اُنگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چڑیا

کے دو قدم پورے ہوئے۔ پہلی چیز یہ کہ اتنی وزن دار شے اتنے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چار نشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر پھر ویسے ہی نشان ملتے ہیں لہٰذا دوسری مضحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ یہ چڑیا ہر دو قدم چلنے کے بعد ڈیڑھ فٹ کی جست لگاتی ہے۔ آگے بڑھتے آؤ۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ دو قدم چلنے کے بعد اس کے لیے ڈیڑھ فٹ اُچھلنا ضروری ہے۔ کہو کبھی ایسی چڑیا خواب میں بھی دیکھی تھی؟ اب بتاؤ کیسی رہی؟"

"فریدی صاحب میں کہتا ہوں کہ یہ بھُوت۔۔۔"

"لاحول ولا قوّۃ۔۔۔!" فریدی حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "پھر وہی چغد پن کی باتیں۔"

"تو پھر اور کیا کیا جائے؟"

"ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔" فریدی نے کہا۔ "اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چڑیا

اس طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔"

"واقعی بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "ایسی عجیب و غریب چڑیا کا شکار دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو؟"

"پستول تو ہے میرے پاس۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔"!

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ میری موجودگی میں یہاں کے بھُوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اِن لوگوں کے ساتھ چلئے گا۔" حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو۔۔۔ اتنے آدمی دیکھ کر اگر چڑیا اُڑ گئی تو۔۔۔ تمہیں تو کوئی کہانیاں سُنانے والی دادی امّاں ہونا تھا۔ مرد بنو برخوردار۔۔۔"!

"چلیے صاحب۔" حمید مردہ آواز میں بولا۔

دونوں ان عجیب و غریب نشانات دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جھاڑیوں کے درمیاں ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی دور تک چلی گئی تھی۔

"دیکھو میاں حمید، یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عقل مند معلوم ہوتی ہے کہ جھاڑیوں میں گھُسنے کی بجائے پگڈنڈی ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی پڑھی لکھی بھی ہو۔۔۔ کیا خیال ہے؟"

"میں کیا بتاؤں۔۔۔ آپ روحانیت وغیرہ کے تو قائل ہیں نہیں۔ خیر کبھی نہ کبھی تو قائل ہونا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپ کو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں۔"

"بھئی تمہیں اس محکمے میں آنے کے لیے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لیے تو کسی خانقاہ کی سجادہ نشینی ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ لیکن تم نکلے نِرے گاؤدی۔ لاحول ولا قوّۃ"!

”آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔“

”آپ چلو وہ بھُوت ہی سہی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نامعقول بھُوت کا وجود بھی برداشت نہیں کر سکتا۔“

”دیکھئے ایسا نہ کہیے!“ حمید جلدی سے بولا۔

”کیوں۔۔۔ کیا بھُوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

”آپ تو سمجھتے نہیں۔“ حمید بُرا مان کر بولا۔

”کیا نہیں سمجھتا؟“

”خیر ہو گا۔۔۔ ہٹایئے۔۔۔ مجھے کیا۔“

”آخر کچھ کہو بھی تو۔“

”اب زیادہ احمق نہیں بننا چاہتا۔“

”کیا تم بُرا مان گئے ارے بھائی راستہ کٹنے کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے معلوم نہیں ابھی اور کتنی دور چلنا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تفتیش کے بعد ٹال ہی دیا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔“حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”بھئی بہت اچھے کیا بات کہی ہے آپ نے۔“ فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آرہا ہے۔“

یہ دونوں اب چڑیا کے پنجوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل نکل آئے تھے۔ یہاں آکر وہ پگڈنڈی ایک کچّی سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جھاڑیوں کا سلسلہ ہو گیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مٹ گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی نشانات نہ ملے۔ فریدی کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا

پھر چٹکی بجا کر بولا۔

"تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی اس کے بعد پھر موٹر پر بیٹھ کر اتر کی طرف روانہ ہو گئی۔"

حمید بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آ رہا ہے۔" حمید ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ دیکھو موٹر کے پہیّوں کے نشانات دکھن کی طرف کہیں نظر نہ آئے۔ کوئی موٹر یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر دکھن کی طرف سے اُتر کی طرف گھمایا گیا۔ یہیں سے چڑیا کے پنجوں کے نشانات بھی غائب ہیں۔"

"بہت ممکن ہے کہ چڑیا موٹر کی آواز سُن کر اُڑ گئی ہو۔"

"پھر وہی بچپن کی باتیں۔ ارے میاں اگر وہ ڈھائی تین من کی چڑیا اُڑ سکتی ہوتی تو اتنی دُور پیدل کیوں آتی۔"

"یہ رہی بے پَر کی۔" حمید قہقہہ لگا کر بولا۔

"خیر خدا کا شکر ہے کہ تم ہنسے تو۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اچھا آؤ۔۔۔ اب اس موٹر کے پیچھے چلیں۔"

"تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔" حمید زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب تو چلا نہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کس پلان پر عمل کر رہے ہیں؟ تب ہی چل سکوں گا۔"

"بچّے مت بنو۔۔۔ چلو اُٹھو۔۔۔ گرمی کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت یہی ہے کہ آج لُو نہیں چل رہی ہے۔"

"تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کار یہاں لے آئیں اور پھر۔۔۔"

"اچھا بکو مت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔" حمید نے ایسے معصومانہ لہجے میں کہا کہ فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

دونوں پھر موٹر کے پہیّوں کے نشانات دیکھتے ہوئے اُتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آگے چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہو گئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں دکھائی دیا۔ کچّی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں چلتے ہوئے ایک پختہ اور نئ وضع کی عمارت دُور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ نئ طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جس کے آگے چار دیواریوں میں گھرا ہوا پائیں باغ تھا۔

دیکھئے یہ موٹر کے پہیّوں کے نشانات میدانِ حشر میں لے جاتے ہیں یا۔۔۔"

"ٹھہرو۔۔۔!" فریدی حمید کی بات کاٹتا ہوا زمین پر جھک گیا۔

حمید بُرا سامنہ بنائے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھو۔۔۔ شاید وہ چڑیا یہیں پر موٹر سے اُتری ہے۔" فریدی نے چڑیا کے

پنجوں کے نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہیں کہیں نظر آ رہے تھے۔ فریدی نشانات کو دیکھتا پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہو گئے۔

اچانک ایک بڑا کتّا غرّاتا ہوا اُن کی طرف جھپٹا۔

"جیک۔۔۔ جیک۔۔۔!" ایک نسوانی آواز آئی اور کتّا دُم ہلاتا ہوا لوٹ گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟" عورت قریب آکر تیز لہجے میں بولی۔ یہ ایک قابل صورت جوان عورت تھی۔ لباس کا رکھ رکھاؤ اور اندازِ گفتگو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اِس گھر کی مالک ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سارجنٹ حمید ایک خوبصورت اور جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا۔

لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ نہایت پُر سکون لہجے میں

بولا۔ ”محترمہ! ہم لوگ محکمہ سُراغ رسانی سے تعلّق رکھتے ہیں۔“

”خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ چونکے تو۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے متحیّر ہو کر کہا۔

”بہت خوب۔۔۔ تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریح تشریف لائے ہیں۔“

”جی نہیں۔۔۔ ہم لوگ تو۔۔۔“!

”خیر چھوڑیے ان باتوں کو۔۔۔ کچھ سُراغ ملا۔۔۔ میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ بولی۔ فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

”محترمہ! بخدا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو۔۔۔ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں!“ وہ غصّہ سے بولی۔

”دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔“

فریدی نے بے ساختہ کہا۔

"قتل۔۔۔!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "کس کا قتل"!

"ایک گمنام آدمی کا۔"

"دیکھئے صاحب بے کار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی خاصی سزا مل سکتی ہے۔"

"لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر اے کے فریدی۔" عورت نے آہستہ سے کہا۔ "فریدی صاحب! معاف کیجئے گا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سہیلی بملا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لیے یہاں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اس کے متعلّق کوئی اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب و غریب چڑیا کا پیچھا

کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں آپ کی سہیلی کے متعلّق کوئی اطلاع نہیں۔"

"مجھے سخت تشویش ہے۔۔۔ اگر شام کو یہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً اس معاملے کو آگے بڑھادوں گی۔"

"اگر آپ مجھے اس چڑیا کی تلاش میں مدد دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔"

آپ اطمینان رکھیئے۔ میں آپ کی سہیلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں؟ اس باغ میں دِن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔" وہ مُسکرا کر بولی۔

"نہیں یہ پرندہ اپنی نوعیت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہ اس کا وزن دو ڈھائی من سے کسی طرح کم نہ ہو گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"آپ تو طلِسم ہوش رُبا کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سارجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ آپ اِن کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" عورت مُسکرا کر بولی۔

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چڑیا کا راز اتنی جلدی کیوں اُگل دیا۔ گرمیوں کی دوپہر میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ بہر حال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبھل کر بولا۔ "محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تین میل کے فاصلے پر کسی گڑھے سے ایک لاش بر آمد ہوئی۔ لیکن وہ کسی مرد کی ہے آپ پریشان نہ

ہوں۔"

"آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ابھی تو آپ چڑیا۔۔۔"!

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ "ہم سُراغ رسانوں کے کام کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ بہر حال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا پانی پلایئے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی ہیں کتنی سخت دھوپ ہے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ اندر تشریف لے چلئے۔" وہ برآمدے کی طرف مُڑتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں نے اپنے کوٹ اُتار کر کرسیوں پر ڈال دیے اور رومال سے چہروں کا پسینہ پونچھتے آرام کرسیوں پر گر گئے۔

"یہاں بھی کافی تپش ہے۔" عورت بولی۔ "میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔"

# لاش کی شناخت

ڈرائینگ روم میں پہنچ کر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ ڈرائنگ روم کو بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا تھا۔ فرش پر ایک دبیز اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفوں پر پھولدار ریشمی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑے فریموں میں آرٹ کے عمدہ نمونے نظر آرہے تھے۔ فریدی اس دیہی علاقے میں یہ شان و شوکت دیکھ کر متحیّر ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ملازم شیشے کے جگ میں ٹھنڈا پانی لایا۔

”میرے خیال سے کچھ کھا بھی لیجئے۔“عورت بولی۔

"جی نہیں شکریہ۔" فریدی نے پانی کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آگیا۔

"واقعی بملا دیوی کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔" فریدی بولا۔

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت چڑیا سے بملا دیوی تک کیوں کر جا پہنچے۔

"کیا بتاؤں انسپکٹر صاحب کہ مجھے کتنی پریشانی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔"

"کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اِطّلاع دی۔"

"اب تک تو نہیں۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔"

”تو کیا وہ کہیں دُور رہتے ہیں؟“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں۔۔۔ کانپور میں۔۔۔ اس کے والدین وہاں روئی کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ شاید آپ نے نام سُنا ہو گا۔ سیٹھ کرم چند۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لڑ کر آئی تھیں؟“ فریدی بولا۔

”نہیں صاحب۔۔۔ ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہیں۔ یونہی تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔“

”اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا؟“

”جی ہاں۔“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اِطّلاع دیئے بغیر کانپور چلی گئی ہوں؟“

”ایسی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پیر بغیر سامان لیے یہاں سے چلی جائے۔“

”ننگے پیر؟ کیا مطلب“!

”جی ہاں۔۔۔ سارے سینڈل اُس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔“

”حیرت کی بات ہے۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اچھا یہ بتایئے۔ اس دوران میں اُن کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے؟“

”جی ہاں۔۔۔ یہ زیادہ تر اُن کے والد یا منگیتر کے ہوتے تھے۔“

”ہوں!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی اتّفاق ہوا؟“

”جی نہیں۔۔۔“

”ان کے منگیتر کا کیا نام ہے؟“

”رندھیر سنگھ۔۔۔“

”رندھیر سنگھ۔۔۔!“ فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ ”کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے؟“

”کئی بار۔۔۔“!

”کیا وہ کبھی یہاں آیا تھا؟“

”نہیں میں اس سے کان پور میں مِل چکی ہوں۔“

”تب آپ کو میرے ساتھ کوتوالی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔“

”کیوں۔۔۔!“عورت متحیّر ہو کر بولی۔

”آج جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے۔ اس نے بھی اپنا نام رندھیر سنگھ ہی بتایا تھا۔“

"ارے۔۔۔ تو گویا۔۔۔ تو گویا۔۔۔" عورت کانپنے لگی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

دفعتاً دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سُنائی دی اور ایک ادھیڑ عُمر کا مضبوط آدمی کمرے میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں تاک رہا تھا۔

اس نے پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبوترے چہرے پر اس کی بڑی بڑی ویران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پھیلا ہوا تھا اور دونوں کانوں پر گھنے بالوں کی لکیریں تھیں چہرہ اس طرح صاف تھا اس نے ابھی ابھی شیو کیا ہو۔ سانس کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آستین کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

"یہاں کون ہے۔" گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”جی یہ محکمہ سُراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بملا والے کسی کی تحقیقات کے سلسلے میں آئے ہیں۔“ وہ بولی۔

”اچھا۔۔۔!“ وہ اپنی چھڑی سے زمین ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”کہیے انسپکٹر صاحب کچھ پتہ چلا۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ مجھے اپنے ساتھ کوتوالی لے جانا چاہتے ہیں۔“ عورت بولی۔

”کیوں۔۔۔!“ اس نے تیز آواز میں کہا۔

”یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔“

”تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار؟“ بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میرا خیال ہے کہ مقتول بملا دیوی کا منگیتر ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”چلیے یک نہ شُد دو شُد۔“ وہ جھنجھلا کر بولا۔ ”ابھی بملا ہی نے ناک میں دم کر رکھا

تھا۔ اب ان کے منگیتر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔۔۔ لا حول و لا قوّۃ۔۔۔ جاؤ بھئی۔ جاؤ۔۔۔ لیکن جلدی لوٹ آنا خبر دار! اب تمہاری کوئی منحوس سہیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔"

وہ تینوں اُٹھ کر باہر آئے۔۔۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"محترمہ! ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟" فریدی نے کہا۔ "یہ کون صاحب تھے؟"

"ٹھاکر دلبیر سنگھ۔۔۔ میرے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔"

"تو کیا یہ نابینا ہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔ دو برس ہوئے اِن کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔"

"اگر کچھ حرج نہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلّق بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟" عورت فریدی کو گھورتے ہوئے بولی۔

”میں اپنی اِطّلاع کے لیے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ کیا آپ نے مشہور سائنسدان پرکاش بابو کا نام نہیں سُنا۔ وہ میرے شوہر تھے۔ تین سال ہوئے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔“

”پرکاش بابو!“ فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ ”وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔“

”جی ہاں وہی۔ اُن کے بعد سے اُن کے بڑے بھائی ٹھاکر دلبیر سنگھ میرے نگران ہیں۔ انہوں نے مجھے پِتا جی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پِتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری دوسری شادی کرنا چاہتے تھے، لیکن میں نے انکار کر دیا۔۔۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہوں۔۔۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار؟“

”اگر اس سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ یہ تذکرہ میرے لیے بہت ہی اندوہناک ہوتا ہے۔“

کوتوالی پہنچ کر انسپکٹر فریدی اُسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت بُری طرح کانپنے لگی۔ وہ سچ مچ بملا کے منگیتر کی لاش تھی۔ اس نئے انکشاف پر کوتوالی میں ہل چل مچ گئی۔ رندھیر سنگھ اور بملا کے والدین کو سرکاری طور پر تار دیے گئے۔ عورت بُری طرح خائف تھی۔ افسروں کی گفتگو سے اُس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اُسے حراست میں لے لیا جائے۔

"فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔" عورت پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"گھبرائیے نہیں! چلئے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔"

فریدی حمید کو کوتوالی میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

# دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پُہنچا کر واپس آیا تو کوتوالی میں سارجنٹ حمید کو اپنا مُنتظر پایا۔ حمید اُسے بُری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھئی۔۔۔اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"میں آپ کے ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دھبّے تلاش کر رہا تھا۔" حمید نے سادگی سے کہا۔

"بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

”جی نہیں۔۔۔ میں انتہائی پاک و صاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جبھی تو میں یہاں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔“

”اوہ! تو یہ کہو تم اچھے خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی اتنے کام کی باتیں نہ معلوم کر سکتا۔“

”جی ہاں۔۔۔ ایسے موقعوں پر یہی ہوتا ہے۔“ حمید بدستور اِسی طرح منہ پھیلائے ہوئے بولا۔

”بھئی خدا کے لیے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبو گے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔“

”اچھا بس چغد پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ چلو اب گھر چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں گا۔ میں اس عجیب و غریب چڑیا کی ٹانگیں کاٹ لایا ہوں۔“

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر دونوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سگار سلگا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔ فریدی دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد بولا۔ ”بھئی وہ عورت۔۔۔“

”کافی خوبصورت ہے!“ حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔

”پھر وہی حماقت کی باتیں۔“

”آخر آپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں؟“ حمید نے مُسکرا کر کہا۔

”اس لیے کہ میری جنسیت عورت کے بجائے خطرات میں پڑنے سے تسکین پاتی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”یہ سب فلسفہ ہے۔۔۔ یا پھر ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کو کسی خاص موڈ میں بنایا ہو۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

”خیر بھئی یہ باتیں پھر ہوں گی میں یہ بتانے جا رہا تھا کہ اس عورت کا نام سروج

ہے۔ وہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ساتھ اس مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندھا ٹھاکر دلبیر سنگھ بھی بڑی پُراسرار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ سروج کے شوہر کے متعلّق بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ ایک سائنسدان تھا۔ میں نے اس کی لیبارٹری بھی دیکھی جو اب بہت خراب حالت میں ہے۔ اسے عجیب و غریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ میں نے اس کے ترتیب ہوئے ہوئے عجائب گھر کی بھی سیر کی۔ دنیا بھر کی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ بملا کے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا۔ لیکن کوئی اچھا نتیجہ نہ نکلا۔ دلبیر سنگھ انتہائی ضدّی اور چڑچڑا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سنجیدگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کافی دولت مند ہیں اور آمدنی کا ذریعہ اُن کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقۂ احباب زیادہ وسیع نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور بس۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر ہے، ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان

میں سے ایک بہت زیادہ مشکوک چال چلن کا آدمی ہے وہ ہے ڈاکٹر ستیش۔ لیکن یہ میرا ذاتی خیال ہے شہر والے تو اُسے عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بلیک لسٹ پر چڑھا ہوا ہے اور شاید میرے علاوہ کوئی اور اس کے کارناموں سے واقف بھی نہ ہو۔"

"ابھی تک تو اِن باتوں میں مُجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "سروج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کوئی بُرا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔"

"لیکن مجھے تو وہ مشکوک نظر آتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مشکوک تو میں بھی تھا لیکن اب یہ خیال بدل دینا پڑا۔ کیونکہ اس چڑیا کی تلاش میں اسی نے مجھے مدد دی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ وہ چڑیا کی ٹانگوں کا قصّہ کیا ہے؟"

"قصّہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ سچ نکلا۔ میں نے دورانِ گفتگو

میں سروج سے چڑیا کے پنجوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سُن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اچانک چونک پڑی۔ میں نے اُسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چہرہ اُتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر کے عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجّب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جوتے کے تلے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے پنجے جڑے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کے شوہر نے یہ جوتے کسی سیّاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائبات میں اضافہ سمجھ کر وہاں رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار یہی کہتی تھی کہ آخر اُن جوتوں کو کس نے استعمال کیا؟ میں اِن جوتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے پہن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے پیروں کی انگلیوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

حمید حیرت سے منہ پھاڑے سُن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

"لیکن اِس بات کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ عورت جوتوں کے استعمال کرنے

والے سے ناواقف ہے؟"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے جوتے دکھانے کے بجائے انہیں تلف کر دیتی۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے پنجوں کی اتنی اہمیّت دیکھ کر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شُبہ اس مکان کے رہنے والوں کی طرف سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے پنجوں کے نشانات اس کے کمپاؤنڈ میں بھی پائے گئے تھے۔"

"بہر حال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے دوسرے لوگ یا وہاں آنے جانے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جوتوں کو پہن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔۔۔ معاملہ بہت اُلجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو حراست میں لے لینا چاہیے۔"

"لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان

جوتوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتّٰی کہ دلبیر سنگھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان لوگوں پر شُبہ ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"خیر بہر حال اب آپ نے کیا سوچا ہے؟" حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کانپور جارہا ہوں۔"

"کیوں؟ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بملا اور رندھیر کے والدین کو تار دے دیے گئے ہیں۔"

"مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں آیا کیوں تھا۔ بہر حال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے متعلّق ہدایات دے چکا ہوں۔ اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید اُکتا کر بولا۔ "کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شُبہ اس پر

نہیں ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔“

”اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔“ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
”بہر حال جو میں کہتا ہوں اُس پر عمل کرنا، اور ہاں نگرانی سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس سے باقاعدہ عشق شروع کر دیں۔ آپ کو تو بس موقع ملنا چاہیے۔“

”مطمئن رہیے۔ میں پرائی بہو بیٹیوں کو اپنی ہی سمجھتا ہوں۔“ حمید نے مُسکرا کر کہا۔

”بہتر ہے کہ آپ انہیں پرائی ہی رہنے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔ نگرانی کے لیے میں نے انور، کامر اور وحید کو مقرّر کیا ہے اور تم ان کے انچارج ہو۔ ان سے جو اطلاعات ملیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر ستیش کی ڈسپنسری کے پاس ایک فقیر بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر ستیش کے متعلّق

اطلاعات ملیں گی انہیں بھی محفوظ رکھنا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے سگار کا گنجان دھواں فضا میں مرغولے بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ مجھے تو اُمّید نہیں ہے کہ جوتے میں کسی قسم کے نشانات مل سکیں۔ قاتل انتہائی چالاک ہے۔ اس نے ایسی حماقت نہ کی ہو گی۔"

"ایسا ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔"

"بہر حال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد بر آمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"لو دیکھو رپورٹ آ گئی۔" فریدی نے کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے حالانکہ نشانات ہونے چاہیں تھے۔ کیونکہ آج کل گرمیوں میں عموماً سب کے پیر کچھ نہ کچھ ضرور پسیجتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر آنے والے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اب تم جا سکتے ہو۔“

”اچھا بھی اب میں روانگی کی تیّاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا بھی چوکے نہیں کہ کام بگڑا۔“

”آپ اطمینان رکھیئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔“ حمید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”اس وقت نو بجے ہیں۔ لاش کی شناخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے میں ایک کے علاوہ کوئی اور ٹرین کانپور نہ جائے گی۔“

”میں آپ کا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جا سکتا ہے۔“ حمید نے

مُڑ کر کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھیر سنگھ کے مکان کے قریب پرندہ بھی پر نہ مار سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شناخت کے بعد ہی میں نے کانپور کے محکمہ سُراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔"

"اس وقت رندھیر سنگھ کے مکان کے ایک کمرے میں پولیس کے آدمی متعیّن ہوں گے۔"

"تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان درست کر لوں۔" فریدی نے یہ کہہ کر مُڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"وحید۔۔۔!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "کیا بات ہے؟"

وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رُک کر دم لینے لگا۔ پھر رُک رُک کر بولا۔
"ایک۔۔۔لاش۔۔۔اور۔۔۔"!

"کیامطلب ؟"حمید جلدی سے بولا۔

"میں انسپکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق اُس مکان کی نگرانی کے لیے جارہا تھا۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھیر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبُو محسوس ہوئی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں سے کھود کر نکالی گئی ہو۔"

"تو پھر تم نے کیا کیا؟"فریدی نے جلدی سے کہا۔

"میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کوتوالی اُٹھوا کر لایا ہوں۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حمید میرا جانا نہیں رُک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکنے کے لیے ہی نکالی گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے؟"

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ حمید نے کہا۔

”یہ اسی عورت کی لاش ہے جس کا تذکرہ رندھیر نے کوتوالی انچارج سے کیا تھا یعنی بملا کی لاش۔“

”ارے۔۔۔!“ حمید نے چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”لیکن آپ وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

”ابھی تمہیں یقین آ جائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں چلے جاؤ اور اسے لے کر کوتوالی آؤ۔ دلبیر سنگھ اگر اسے تنہا نہ آنے دے تو اُسے بھی لیتے آنا اور ہاں دیکھو سب کام احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے اس لیے گُڈ نائٹ!“ فریدی یہ کہتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

# دلچسپ سفر

دہلی ایکسپریس پوری رفتار سے چیختی چنگھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی ایک معمّر آدمی کے بھیس میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی تھی اور اگر شاید اس وقت نیند آتی بھی تو وہ نہ سوتا، کیونکہ سامنے والی برتھ پر لیٹا ہوا سکھ اُس کی توجّہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپ چیز یہ تھی کہ اُس نے اِس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اس کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا۔ اور اگر آنکھیں نہیں تو

رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہوش مند آدمی کے لیے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر۔۔۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھ نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مُسکرانے لگا۔

"کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے ہنس کر کہا اور پھر چونک کر اُٹھ بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔

جب وہ باتھ روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"فریدی صاحب آداب عرض ہے۔" اس نے مُسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچانک حملے پر ضرور بوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پُر سکون رہا۔ سکھ نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچانک پہچان لیے

جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود بُری طرح بوکھلا گیا۔

"آداب عرض۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سکھ شاید اُلجھن میں پڑ گیا تھا کہ اب کیا کہے۔ اس کی حالت بالکل اس بچّے سے ملتی ہو رہی تھی جس کی شرارتوں سے اچانک کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کھانسنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کمپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

"فریدی صاحب کہیے کیسا پہچانا۔" وہ دوبارہ جھینپی ہوئی آواز کے ساتھ بولا۔

"اوں۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں

سمجھی۔"

"آپ بھلا مجھے کیا جانیں۔" وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی داڑھی اور کیس دونوں نقلی ہیں۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چُپ چاپ اپنی برتھ کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھونکے آ رہے تھے اور پنکھا چل رہا تھا، لیکن پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھی۔ اس نے سرہانے رکھے ہوئے چھوٹے سے اٹیچی سے ریوالور نکالا اور فریدی کی طرف تان کر کہنے لگا۔

"بس خبردار! اُٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے ہنس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اُٹھنے کی کوشش کروں گا۔"

"بکو مت!" سکھ گرج کر بولا۔

"دیکھو بھئی۔ گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے ورنہ مجھے کہیں سچ مچ نہ اُٹھنا پڑے۔" فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو؟ سب سے پہلے تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا حالانکہ مجھے لوگ میجر سردار خان کہتے ہیں، لیکن میں نے بُرا نہ مانا۔ پھر تم نے میرا مضحکہ اُڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پہچان گیا، لیکن میں پھر بھی ٹال گیا۔ حالانکہ میں نے چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اِس طرح سے کہتے ہو کہ کیسا پہچانا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری داڑھی اور کیس نقلی ہیں تو تم نے ریوالور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ لگا کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے۔ پتہ نہیں لوگ ایسے آدمیوں کو تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اُونچے خاندان سے تعلّق رکھتے ہو مگر ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر ریوالور نکال

لو۔ اور پھر چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی۔ تم مجھ سے عُمر میں چھوٹے ہو۔ اس لیے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر قابو رکھنا سیکھو، اور ہاں ریوالور کا رُعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جنگ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کا ریوالور لاحول ولا قوۃ مجھے میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ سردار جی"!

سکھ کا ریوالور والا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا میجر صاحب، مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ، آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ میں دراصل سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں۔ آج کئی دِن سے میں بہت بڑے بدمعاش کے چکّر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جناب میجر صاحب"!

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اکثر دھوکہ ہو ہی جاتا ہے۔ کہاں تشریف لے جارہے ہیں آپ؟"

"کانپور"!

"چلئے سفر مزے میں کٹے گا۔ میں بھی کان پور جارہا ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"آپ آج کل کہاں تعینات ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"الہ آباد میں۔"

"تب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کیوں مزے میں کیوں؟" سکھ نے حیرت سے کہا۔

"خوب امرود کھاتے ہیں۔" فریدی نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

”آپ سگار پیتے ہیں؟“ فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں۔ شکریہ۔“

”تو پھر کچھ باتیں کیجیئے تاکہ راستہ کٹے۔ اب تو نیند آنے سے رہی ریوالور دیکھتے ہی رفوچکر ہو گئی۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

”جی مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ سکھ نے ہنس کر دانت نکال دیئے۔

”کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سکھ بولا۔

”دیکھئے کب تک وہ بدمعاش۔۔۔ ہاتھ آتا ہے۔“

”کون بدمعاش؟“ فریدی چونک کر بولا۔

”وہی۔۔۔ فریدی!“ سکھ نے کہا۔ ”جس کے دھوکے میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا۔“

”دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اُس پر ہاتھ پڑ سکے گا۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔“

”ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔“ سکھ بولا۔ ”آپ نے الہ آباد کے کینیڈا بینک کی چوری کا حال ضرور سُنا ہو گا۔ اس چوری میں اُسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکیدار کو بھی جان سے مار ڈالا۔“

”تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور آپ اسے تنہا گرفتار کرنے نکلے؟“

”جی نہیں ہم کئی ہیں۔“

”اچھا!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”مجھے اُمّید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔“ سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی تیّاری کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔

"اچھا بھئی میجر صاحب۔ اب تو نیند آ رہی ہے۔ نمسکار!" سکھ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا صاحب شب بخیر۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بج رہے ہوں گے۔ سکھ خرّاٹے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ اٹھا اور دفعتاً سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اِس اچانک حملے سے پیدا شدہ بدحواسی اور کچھ بوکھلاہٹ۔ ان سب چیزوں نے اُس میں جدوجہد کی قوّت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اُس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مُسکراتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر پھڑپھڑاہٹ سے کافی

محفوظ ہوا کرتا تھا۔

"اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی کے انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے جھک کر سکھ کی داڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اُکھڑ آئے اور اُس کی منڈھی ہوئی شفاف ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے داڑھی کے بال نوچ لیے اور اس کی پگڑی اتار دی۔

"آخّاہ! ڈاکٹر ستیش تُم سے اتنی جلدی ملنے کی اُمّید نہ تھی۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

وہ برابر اُردُو اور انگریزی میں گالیاں بکے جارہا تھا۔

"شور مت مچاؤ ستیش!" فریدی گرج کر بولا۔ "آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نکلتے تھے۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔ اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے؟ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" ستیش تیزی سے بولا۔

"بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "کم از کم چھ مہینے کے لیے تو ضرور جاؤ گے۔"

"تم مجھے کھول دو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"اور تمہیں کھول ہی دینے پر کیا اچھا ہو گا؟" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تمہیں کھول دوں تاکہ تم مجھے اپنے بغیر لائسنس کے ریوالور کا نشانہ بنا دو۔ کیوں ہے نا یہی بات؟"

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔"

"میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔"

"تو تم نہیں کھولو گے؟"

”ہر گز نہیں“!

”اچھا دیکھ لوں گا۔“

”جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔ بہت ممکن ہے کہ بملا اور رندھیر بھی اپنا زور لگا کر تمہیں زیادہ دِنوں کے لیے بھجوا دیں۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

بملا اور رندھیر کا نام سن کر ڈاکٹر ستیش کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ فریدی کو حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

”کیوں چُپ ہو گئے؟“ فریدی نے اپنے شانے اُچھالتے ہوئے کہا۔ ”کیا غلط کہہ رہا ہوں؟ سچ سچ بتانا ڈاکٹر۔ آخر اس بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟“

”اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو۔“ ڈاکٹر ستیش نے تیزی سے کہا۔

”تمہاری مرضی۔ میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس

وقت سے ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کیے بغیر تم سے ساری باتیں اُگلوانا شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتا دو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل جائے گی۔۔۔ ورنہ"!

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر ستیش کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر بیک وقت بولا۔

"شام والی لاش بملا ہی کی تھی نا۔"

"ہاں آں۔۔۔ کیا مطلب!" ڈاکٹر ستیش چونک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ "تم نہ جانے کیا اُلٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔"

"خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے یہ سب کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سہی۔ اچھا اتنا تو بتا ہی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ مخواہ مجھے چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

ڈاکٹر ستیش مُسکرانے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

”واہ فریدی صاحب! آپ کیسے سُراغ رساں ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھئی عرصہ سے میری خواہش تھی کہ آپ سے جان پہچان پیدا کروں۔ لہٰذا جب آج میں نے آپ کو دس بجے اسٹیشن کی طرف آتے دیکھا۔ تو مجھے مذاق سوجھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیس بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے اسٹیشنوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اِتّفاقاً مجھے اس ڈبّہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتّفاق نہیں تو اور کیا ہے؟“ ڈاکٹر ستیش ہنسنے لگا۔ ”بہت اچھے!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”میری چھری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو“!

”ڈاکٹر میرے لیے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے بچّے کی غوغاں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آ گیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔“

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار پید ہو گئے تھے۔ کچھ خجالت اور کچھ جھنجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

"خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ کیوں چھیڑا تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔" ڈاکٹر ستیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

"اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"تم عجیب گدھے کے بچّے ہو۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا بچّہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب ہونے کی وجہ سے گدھے کا بچّہ ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ پھر۔۔۔!" فریدی نے

سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا سر!" ڈاکٹر زور سے چیخا۔

"ہاں ہاں میرا سر!" فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا میرے سر کو؟ موجود تو ہے۔"

"چپ رہو اُلّو کے پٹھّے!" ڈاکٹر ستیش زِچ ہو کر زور سے چیخا۔

"اچھا چپ ہو گیا۔ اُلّو کا پٹھا!" فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرایا۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گے کیا؟ اگر دیوار ٹوٹ گئی تو!" فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"اچھی علامت ہے۔" فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" ستیش نے تنگ آکر کہا۔

"لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں۔"

"اویو بروٹ!" ڈاکٹر ستیش اس بُری طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرّا گئی اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"خوب دل کھول کر ہنس لو۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" ستیش نے غصّہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات بے وجہ بھی ہنسی آنے لگتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کا منہ پھر اُتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر سچ سچ بتانا وہ کس کی ایجاد ہے؟ تم سے تو اس کی اُمّید نہیں۔۔۔ تم ٹھہرے گھامڑ آدمی۔“

”تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔“ ڈاکٹر ستیش نے فخریہ کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

”تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔۔۔ کیسی گیس؟ کیسی ایجاد؟ گھامڑ تم خود ہو گے۔“

”خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔“

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔۔۔ اتنی دیر تک چیختے رہنے سے وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ ایک ہارے ہوئے نااُمّید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیے۔

فریدی اب بھی اسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ فریدی نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی پندرہ منٹ کے بعد کانپور پہنچنے والی تھی۔

# تیسرا شکار

دوسرے دِن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ستیش بھی تھا جس کی نگرانی کے لیے کانپور کے دو کانسٹیبل ساتھ آئے تھے۔ حمید فریدی کو لینے کے لیے اسٹیشن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ستیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجّب تھا۔

"یہ حضرت کہاں؟"

"ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر ستیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اسٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ حمید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر ستیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا لیکن وہ بدستور کھڑا رہا حتّٰی کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ کانسٹیبلوں نے اُسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر ستیش چیخ کر زمین پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حمید اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی بھاگ دوڑ مچی جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔ فریدی بری طرح جھلّایا ہوا تھا۔ ”بالکل بیکار ہے حمید۔۔۔ ان کم بختوں کی بدحواسی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نکل گیا۔“ اس نے رُک کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

حمید نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔ ”یہ آخر ہوا کیا؟“

”بہت بُرا ہوا۔ اب از سرِ نو کام کرنا پڑے گا۔ ساری محنت برباد ہو گئی۔“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کی لاش کوتوالی لائی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ فریدی سے بیان لیا گیا۔ اس نے ستیش کی گرفتاری سے لے کر موت تک کے سارے واقعات بتائے۔ لیکن اس نے اپنے اس شُبہ کا اظہار نہ کیا کہ ڈاکٹر ستیش کا تعلّق رندھیر والے کیس سے بھی ہے۔ اخبارات نے اس نئے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کیں۔

حمید پورے حالات جاننے کے لیے بُری طرح بے چین تھا۔ کوتوالی سے فرصت پا کر جب دونوں گھر آئے تو حمید سے صبر نہ ہوا۔ وہ پھر پوچھ بیٹھا۔ فریدی سفر کے سارے واقعات بتانے کے بعد بولا۔

”ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش کس کی تھی؟“

”بملا کی!“ حمید نے کہا۔ ”اور سروج حوالات میں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فریدی نے چونک کر کہا۔

”آپ کے جانے کے بعد میں سروج کو کوتوالی لایا۔ حالانکہ لاش خراب ہو چکی

تھی۔ اس کا چہرہ بڑی حد تک بگڑ گیا تھا لیکن سروج نے اسے پہچان لیا۔ اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔ سروج کے ساتھ دلبیر سنگھ کی ضمانت ہو گئی لیکن سروج ابھی تک حوالات ہی میں ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا۔ ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔ سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا کم بختوں نے۔ تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں؟"

"میں نے چیف انسپکٹر سے کہہ کر رُکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی دھیان نہ دیا۔"

"خیر اور کوئی خبر؟"

"ڈاکٹر ستیش یہاں سے غائب ہی ہو گیا تھا۔ دلبیر سنگھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد مکان کی نگرانی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"حمید تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جا رہے ہو؟" فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ کیسے سوجھی کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔ اس قسم کے کام

اکیلے نہیں کیے جاتے ہیں۔ شروع سے چیختا آرہا ہوں کہ اس میں کسی گروہ کا ہاتھ ہے پھر بھی تم نے ایسی حماقت کرڈالی افسوس"!

"اب کیا بتاؤں۔ ہو ہی گئی غلطی۔"

"بس قصّہ ختم اُلّو کہیں کے"!

"کانپور میں کیا رہا؟" حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

"کانپور میں مَیں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر ستیش ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ خود اس نے کسی قسم کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ وہ اس گروہ سے تعلّق ضرور رکھتا ہے۔ ایک بات صاف نہ ہو گی کہ وہ اس وقت بھیس بدل کر کانپور کیوں جا رہا تھا۔ اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے گھر کی تلاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا

کیوں تھا۔ چُپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔"

"ہاں واقعی یہ چیز عجیب و غریب ہے۔" حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"میں ایک نتیجے پر اور پہنچا ہوں۔ وہ یہ کہ جس وقت بملا کو گولی لگی وہ رندھیر کے موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھی تھی۔ رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلال پور سے آ رہا تھا اور اس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔ گولی لگتے ہی بملا گر گئی تھی۔ اس کے گرنے کے بعد رندھیر وہاں کچھ دیر رکا بھی تھا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ دیکھو۔ یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں۔۔۔ مجھے آ کر

بچاؤ۔۔۔ کسی طرح یہاں آکر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔۔۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آرہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

بملا"

"لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیسے لگا لیا؟"

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا اور بھٹکنا پڑتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ خیر سنو۔ جب یہ خط رندھیر کو ملا ہوگا تو اس نے اس کے جواب میں بملا کو لکھا ہوگا کہ وہ اسے نکال لے جانے کے لیے آرہا ہے۔ اور اس نے اس سے کُل

واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بملا اور رندھیر دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا۔ اس نے موٹر سائیکل حاصل کی اور بملا کو اُس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے تیّار کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بملا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں نے گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بملا کے غائب ہو جانے کا ذمّہ دار بھی بنا دیا۔"

"لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تُو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی رندھیر بملا کا منگیتر تھا؟ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بملا کے فرار کی ذمّہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی؟" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔۔۔ بملا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا

تذکرہ نہ کرے لہٰذا اس کی روانگی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو یہی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ اسے پہلے سے جانتے ہی تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔"

"ہوں!" حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر موٹر سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت باقی تھی؟"

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موٹر سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس اِدھر اُدھر اندھیرے میں سر مارتی پھرے۔ وہ تو دُعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش بر آمد ہو گئی۔۔۔ ورنہ ہنوز روزِ اوّل ہوتا۔"

"اب آپ نے کیا سوچا ہے؟" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروج کو رہا کرا کے جلال پور پہنچانا

ہے۔"

"ہے۔۔۔ہے۔۔۔ عشق اوّل دردِ دل۔۔۔ہے دا!" حمید نے بطرزِ قوّالی جھومتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "ارے کیا پوچھتے ہیں حضور۔۔۔بس یہ سمجھ لیجئے کہ پرانے مصنّفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، رو کش مہر مہ و انجم، لعبت جبیں، زہرہ جبیں، بہلبہائے شکریں، سراپا انتظار، مبتلائے کھانسی و بخار، انتظار کی گھڑیاں کبھی گنتی ہو گی اور کبھی رکھ دیتی ہو گی۔۔۔ہے"!

"بس بس بکواس بند۔۔۔ورنہ"!

"ورنہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ!" حمید نے ہنس کر کہا۔

"تم ہو اچھے خاصے گدھے۔" فریدی نے اُکتا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

# خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروج سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا انتظام اس نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ وہ اسے دم دلاسہ دیتا ہوا جلال پور لے آیا۔ ٹھاکر دلبیر سنگھ سروج کی آمد کے متعلّق سُن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اُتر گیا۔ بھویں تن گئیں اور چیخ کر بولا۔

”اب یہاں کیا کرنے آئی ہو! خاندانی عزّت ملا دی خاک میں۔“

”بھیّا جی، آخر اس میں میرا کیا قصور ہے؟“ سروج روتی ہوئی بولی۔

”کیوں بلایا تھا تم نے بملا کو؟ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رگڑ گئی۔“ اندھے دلبیر سنگھ نے چیخ کر کہا۔ ”اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں! ٹھاکر امر سنگھ کے خاندان کی بہو اور جیل میں جائے۔ تو بھی پرکاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مر گئی۔“

”ٹھاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا قصور ہے؟“ فریدی نے نرم لہجہ میں کہا۔

”آپ چپ رہیے جناب۔ یہ میرے گھریلو معاملات ہیں!“ دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

”ٹھاکر صاحب مجھے شرمندگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں ہوتا تو اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔“ فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

”تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔“ دلبیر سنگھ جھلّا کر بولا۔ ”آپ کیا جانئے کہ خاندان کی عزّت کیا چیز ہوتی ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھاتو آپ سفارش کرنے کے لیے آئے ہیں۔۔۔کیوں سروج اتنی جلدی اتنے جاں نثار پیدا کر لیے۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

سروج بے اختیار رونے لگی۔

”ٹھاکر صاحب۔ ایسے بزرگ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ فریدی نے نا خوشگوار لہجے میں کہا۔

”براہ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جایئے اور سروج تم بھی۔ تمہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔“

سروج نے دلبیر کے پاؤں پکڑ لیے لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

”اب اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی بھیّا جی۔“ سروج روتی ہوئی بولی۔

”تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ سچ مچ تمہاری لاش ہی نکلے گی۔“ دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

”ٹھاکر صاحب آپ سروج کو دھمکی دے رہے ہیں لہٰذا اب پولیس کو انہیں اپنی

حفاظت میں لینا پڑے گا۔"

"پولیس!" دلبیر سنگھ زہر خندہ کے ساتھ بولا۔ "پولیس کی حفاظت میں تو یہ دو راتیں رہی۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا"!

"کیا بک رہے ہو ٹھاکر! ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو!" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"ٹھاکر میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔" سروج یک بیک بپھر کر بولی۔ "میں بھی راجپوتنی ہوں۔"

"اچھا راجپوتنی کی بچّی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔۔۔ خبر دار کبھی اس گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔" دلبیر سنگھ غصّہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔۔۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج بہن۔"

”لیکن آپ نے کیا کِیا ہے۔“ سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں نے تمھیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔“

”قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔“ سروج سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”اب میں کہاں جاؤں؟ پِتا جی سے جا کر کہوں گی کیا؟ شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں تمھیں کسی قسم کے تردّد کی ضرورت نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کسی کے لیے بار بننا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔“

”کیا تم ایک بھائی کی التجا ٹھکرا دو گی؟ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کروں گا کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی کی طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔“

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج آئی تھیں اس نے کار کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپالیا۔

"یہ ڈاکٹر ستیش کے قتل کا کیا واقع ہے؟" تھوڑی دیر بعد سروج نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" سروج کار کی سیٹ کی پشت پر ٹیک لگاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا تم ڈاکٹر ستیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟"

"جی ہاں وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔"

"کیا دلبیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی؟"

"نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد بڑے

ٹھاکر سے ان کی گہری چھننے لگی۔"

"بملا سے وہ بے تکلّف تھے یا نہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلبیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اچھا تمہارے شوہر پرکاش بابو سے اِن کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟"

"میرے شوہر ایک مشہور سائنسدان تھے۔ وہ آئے دِن نِت نئے تجربات کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ستیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ یہی تھی۔"

"تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے؟ ان کا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہو گا۔"

"انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا اس سلسلے میں وہ کئی بار بہت سخت بیمار بھی پڑے تھے۔"

"بیمار کیسے پڑے تھے؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بار تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پرکاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی گیس کے متعلّق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتّفاق سے اس طرف جا نکلی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر ہنس رہے ہوں گے اس لیے انہیں ہنستے دیکھ کر میں بھی یوں ہی ہنسنے لگی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد، وہ برابر ہنستے ہی جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سُرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلتی معلوم ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیّت رہی پھر اچانک وہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔"

"اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا؟"

"میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔"

"اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا؟"

"جی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آ گئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹھیک تھیں اور ڈاکٹر ستیش کو بھی اس کا علم تھا، جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکروں کے علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اِطّلاع نہیں ہوئی تھی۔"

"تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی، البتّہ یہ میرا اندازہ ہے۔ کیونکہ پرکاش بابو نے ان سب کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں۔"

"ہوں!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان چڑیا کے پنجوں والے جوتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے؟"

"نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقفّل رہتا

ہے اور اس کی کنجی یا تو میرے پاس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔"

"خیر۔" فریدی نے کھانستے ہوئے کہا۔ "مگر بھئی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑے ظالم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصّے میں دیکھا ہے۔ ان کی نرم دلی سارے علاقہ میں مشہور ہے۔ وہ بھنگیوں تک کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یادداشت میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج اُن کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہیں کہ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں نرگس نیم وا ہوتی جارہی تھیں۔ یکایک ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

# چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دِن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دِن بھر ٹھاکر دلبیر سنگھ کے دوستوں کو ٹٹولتا پھرا تھا۔ڈاکٹر ستیش کے گھر کی تلاشی تو اس نے اسی دِن لے لی تھی جس دِن اس کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتہ کے بعد وہ اپنے کتّوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس تقریباً ایک درجن کتّے تھے اور ہر کتّا اپنی مثال آپ تھا۔ کتّوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے بعض بے تکلّف احباب اسے خواجہ سگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتّوں پر ہی منحصر نہیں، اس کے شوق عجیب و غریب تھے۔ اسے عجائبات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوٹھی کا

ایک کمرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لیے مخصوص تھا۔ ان میں سب زیادہ عجیب و غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر سپیرے کی طرح اُن کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اُس کی اِن حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیشہ اس کا مضحکہ اُڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت کے لیے اس قسم کی عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔ کتّوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے ہی وہ دوسرے برآمدے کی طرف مُڑا اسے سروج دکھائی دی جو عجائبات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔

"تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔" وہ مُسکرا کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں؟ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔"

"آخر آپ نے اتنے سارے زندہ سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں؟"

"پتہ نہیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن فریدی بھیّا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔"

"لیکن یہ میرے لیے میرے پالتو کتّوں کی طرح بے ضرر ہیں۔"

"تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہو گا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔۔۔ ان میں سے بہتیرے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکالا ہی نہیں گیا۔"

"انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے؟"

"میں خود!" فریدی نے کہا۔ "آؤ تمہیں تماشا دکھاؤں۔"

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ الماری کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ یک بیک پھنکاروں کی آوازیں سنائی دیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج چیخ کر پیچھے ہٹ

گئی۔ ”ڈرو نہیں۔ یہ کینچوؤں سے بھی ابتر ہیں ان میں زہر نہیں۔“

فریدی نے میز پر سے دودھ کا برتن اُٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر ٹوٹ پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اُٹھا کر اُسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پلے پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرے برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر سروج پھر چیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”ڈرو نہیں سروج بہن۔ یہ سب میرے دوست ہیں۔“

”مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گی۔“
سروج یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں چلے گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کچھ گنگناتا ہوا باہر نکل آیا۔

سارجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آرہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر رُک گیا۔

"کہو بھئی کیا خبر ہے۔"

"کوئی خاص خبر نہیں۔ کوتوالی سے آرہاہوں۔ ابھی ابھی دلبیر سنگھ کا نوکر آپ کا نام لے کر ایک خط دے گیا ہے۔"

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے رویّے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصّہ آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ میں نے اُس کی شان میں بہت ہی نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں جس کے لیے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ جب تک وہ یہاں نہ آجائے گی مجھے سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ"

"تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ بہت بُرا ہوا۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے متعجّبانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تو کیا واقعی آپ۔۔۔" حمید ادھوری بات کر کے چُپ ہو گیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے؟"

"کیا آپ سچ مچ سروج کو واپس بھیج دیں گے؟"

"تو اس میں تعجّب کی کیا بات ہے۔" فریدی نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سنیے تو سہی!" حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ "کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں؟"

"کہیں میں تمہاری پٹائی نہ کر دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خواہ مخواہ بھیجا چاٹے جا رہے ہو۔"

"صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔"

"فرمایئے!" فریدی رکتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"تو واقعی کیا آپ سروج۔۔۔"!

"بکواس بند۔" فریدی جھلّا کر بولا۔

سروج ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ حمید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی اور وہ بھی چلی گئی۔ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھجاتا رہا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

چیخ کی آواز سُن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

”ارے ارے کیا ہوا۔“ فریدی حمید کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔

”حمید حمید۔۔۔!“ وہ اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔

”ابھی تو اچھے بھلے تھے۔“ سروج نے کہا۔

”نہ جانے کیا ہو گیا۔“ فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ واقعی سروج۔۔۔!“ حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبا دیا۔ ”چپ رہو!“ فریدی اس کا منہ دباتے

ہوئے چیخا۔

"ارے ارے۔۔۔!" سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"تم اسے نہیں جانتیں۔ معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر ملول کر گیا ہے۔"

"فریدی صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سروج نے کہا۔

"اور میری بات!" حمید اُٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"ارے!" سروج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"حمید اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہو گا۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”آپ بہر حال میرے آفیسر ہیں۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ سروج نے کہا۔

”کچھ سرکاری معاملات ہیں۔“ حمید مُسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

”آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی نے سروج سے کہا۔ حمید باہر کھڑا رہا اور وہ دونوں چلے گئے۔

”آخر بات کیا ہے؟“ سروج نے پھر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ یونہی مجھے تنگ کر رہا ہے۔“

”اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کو زیادہ سر نہ چڑھانا چاہیے۔“ سروج نے کہا۔

”مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ باسلیقہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو۔۔۔ لو یہ خط

دلبیر سنگھ نے مجھے بھجوایا ہے۔" سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

"تو پھر آپ کیا کہتے ہیں؟" سروج خط پڑھ کر بولی۔

"اس کے متعلّق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گی۔"

"اور میں آپ کے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلّا کر میز پر رکھا ہوا رول اٹھایا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے متعلّق بحثیں چھڑ گئیں اور سروج اُکتا کر باہر چلی گئی۔

"یہ کیا حماقت تھی!" فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔

”کیسی حماقت“!

”دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمھیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہیں کہ اسے دکھ پہنچے۔“

”تو یہ کہیے کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کے لیے کر رہا ہوں۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”محبّت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔“

”پھر وہی بکواس۔“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں تمھیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ اب تم اس کے متعلّق کبھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو؟“

”جی نہیں۔ میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔“

”دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلاہٹیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے والد صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انتظام کر دیں۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دوماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔“

”اچھا بھئی اب ختم کرو یہ قصّہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی قاعدے کی بات کرو۔“

”میرے خیال سے سول میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔“

”تم زندگی بھر سنجیدہ نہیں ہوسکتے۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

”سچ سچ بتایئے گا۔ آپ کا عشق کِن منزلوں پر ہے۔“ حمید نے مُسکرا کر کہا۔

”کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی ستم ہو جاتا ہے۔ بات تیری قسمت کی ایسی کی تیسی۔“

”آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لیے جان کی بازی لگادوں گا۔“ حمید

نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے جاں نثار اب چُپ ہو جاؤ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی نے اُکتا کر کہا۔ "تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہو گا۔" حمید اپنے چہرے پر اداسی پیدا کرتے ہوئے بولا۔

اس کی مضحکہ خیز صورت دیکھ کر فریدی کو ہنسی آ گئی۔

اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اُٹھالیا۔ "ہیلو۔"

"اوہ فریدی صاحب میں سدھیر بول رہا ہوں۔ دھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا حادثہ"!

"جی ہاں۔۔۔ قتل۔۔۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ اور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جایئے۔"

”لو بھئی۔۔۔ چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔“ فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

”کہاں؟“

”وہیں۔۔۔ دھرم پور کے جنگل میں۔۔۔ جلدی سے تیّار ہو جاؤ۔ ارے لو۔۔۔ باتوں میں اندھیرا ہو گیا۔ اپنی ٹارچ ضرور لے لینا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گڑبڑ نہ کریں۔“

”اب تو جناب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی سچ مچ مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ ملازمت کیا ہے، آفت ہے لا حول ولا قوّۃ۔“ حمید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔

# فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انسپکٹر فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ چلی جارہی تھی۔

"بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہو گی۔۔۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون گدھا ہے جس نے قتل کے لیے ایسی غیر شاعرانہ جگہ

منتخب کر رکھی ہے۔ ارے قتل کرنا ہے تو ہمارے گھر کے آس پاس ہی کہیں کر دیا کرے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"جی نہیں!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہیے کہ قتل کر کے لاش آپ کے گھر بھجوا دیا کرے۔"

حمید ہنسنے لگا۔

"کیا زندگی ہے ہماری بھی۔۔۔ نہ دِن چین نہ رات آرام۔ اس سے بہتر تو کلر کی تھی۔ صُبح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آرہے ہیں، اس کے بعد رات اپنی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بوڑھی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

"کاش میں بوڑھی عورت ہی ہوتا مگر سُراغ رساں نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریوالور کی نال پر رکھی رہتی ہے یا پھر سُراغ رسانی ہو انگریزی جاسوسی ناولوں کے طرز کی۔ کہ جاسوس نے کسی قتل کی خبر سُنتے ہی ایک بار آنکھ بند کی۔

کاندھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک بار منہ بسورا اور اچانک مُسکراتے ہوئے قاتل کا نام معہ ولدیت اور پتہ بتا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ ایک ہم ہیں کہ دِن رات بھُوتوں کی طرح۔۔۔!" حمید رُک کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اُکتا کر کہا۔

"ارے باپ رے باپ۔ دیکھئے کتنا اندھیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول گئے ہیں؟ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جہنّم میں گئی ملازمت۔۔۔ میرے پھیپھڑوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر قہقہے لگاتا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔"

"تم بھی عجیب آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا ابھی تک تمہارے دل میں سے بھُوتوں کا خیال نہیں نکلا؟ ارے احمق آدمی! کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بوتلوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔"

”اگر یہ سچ ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا؟ اس کے منہ میں دبے ہوئے پائپ کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی؟“

”اس کا مقصد محض یہی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجائے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسرے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اُس مضحکہ خیز بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ مجرموں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تھک ہار کر بیٹھ جائیں۔“

”صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلق سے نہیں اترتی۔“

”اچھا اب خاموش رہیے ورنہ میرا گھونسہ آپ کے حلق سے اُتر جائے گا۔“

”بے بسی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔“

”اور میرا دل نہ جانے کیوں اُٹھ کر ٹہل رہا ہے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”دل

بیٹھا جا رہا ہے۔ بہت خوب! میں غَلَط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بُڑھیا کی روح ملول کر گئی ہے۔ برخوردار اس قسم کے محاورے کسی مرد کو زیب نہیں دیتے۔"

"آپ برخوردار۔۔۔ اس قسم کے محاورے۔۔۔!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔ موٹر کی آواز جنگل کے سنّاٹے میں گونج رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدھ گیدڑ یا جنگلی بلّیاں بھاگتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ دفعتاً فریدی چونک کر کہنے لگا۔ "کیوں حمید۔۔۔! ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گھر سے روانہ ہو گئے ہوں گے؟"

"بمشکل تمام دس منٹ کے بعد۔"

"تعجّب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کس رفتار سے روانہ ہوئے ہوں گے؟"

”ہو سکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔“

”تب بھی اب انہیں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی کی وجہ سے کوتوالی میں میرا انتظار نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے سیدھے یہیں آنے کے لیے کہا اور اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس سست رفتاری کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“

”تو کیا!“ حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔“

”بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر ستیش بھی اسی مقصد سے میرے پیچھے لگا تھا۔“

”لیکن اگر آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کر دیا۔ آخر چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیس میں دیکھ کر شُبے میں پڑ گیا تھا۔ لہٰذا شک رفع کرنے کے لیے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دیر بعد اس

نے ریوالور نکال لیا تھا۔"

"اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"بالکل نہیں۔۔۔ البتّہ اندھیری رات میں سیاہ عینک ضرور شُبے میں ڈال رہی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ کیا!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"ادھر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔" حمید نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ رفتار تیز رکھیے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیوں کیا مرنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر کوئی تناور درخت اچانک کار کے سامنے آ گرے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟"

”ارے باپ رے باپ۔“ حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”ذرا ہوش و حواس درست رکھیے گا۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔“

فریدی نے کہا۔ ”ریوالور لائے یا نہیں؟“

”ارے۔۔۔ ریوالور۔۔۔!“ حمید ہکلانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”آپ ہنس۔۔۔ ہنس۔۔۔ ہنستے ہیں۔“

”تم بھی ہنسو نا۔“

”مجھے کھانسی آرہی ہے۔“ حمید نے زبردستی کھانستے ہوئے کہا۔

”ارے!“ فریدی چونک کر بولا۔

ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر دی۔ کار رُک گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹائی

شروع کی۔

"کیوں یہ کیا!" حمید جلدی سے بولا۔

"خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دفعتاً کار کی کھڑکی سے گزرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کنپٹی سے لگ کر رُک گئی۔ یہی واقعہ حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گرج دار آواز سُنائی دی۔

"نیچے اُترو"!

دو عدد رائفلوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور دونوں نیچے اُتار لیے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ چار کے پاس رائفلیں اور پانچواں ریوالور لیے ہوئے تھا۔

"لے چلو!" ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور وہ سب جھاڑیوں میں گھُستے چلے گئے۔ حمید

اور فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ آگے آگے راستہ دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اُسے پکڑ رکھا تھا انہوں نے اُسے اٹھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مُسکرا رہا تھا۔

"کیوں مکّار! کیا اب کوئی نئی حرام زدگی سوجھی۔" وہ گرج کو بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکلّف نہیں۔ البتّہ تہذیب شرط ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"اگر ہم خاموشی کے بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چپ رہو۔ چوہے کے بچّے۔" ریوالور والا پیر پٹختے ہوئے بولا۔

"آپ بڑے بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن اُسے پھر اُٹھا دیا گیا۔

"اٹھو!" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

"رُک جاؤ بھائی ذرا ستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سُلگا لوں۔" فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو یہیں پر ختم کر دینا ہو گا۔" ریوالور والے نے کہا۔

"نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہیے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا بُرائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اٹھو۔۔!" ریوالور والا پھر چیخا۔

"نہیں اُٹھوں گا۔" فریدی بھی اسی انداز سے چیخا۔

"اچھا ٹھہرو۔۔۔ بتاتا ہوں تمہیں۔۔۔!" اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے

کہا۔

"ذرا اُردُو میں بتانا۔۔۔ انہیں ہندی نہیں آتی۔" حمید نے چلّا کر کہا۔

"چپ رہو!" وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔

فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ رکھے تھے۔ ریوالور والے نے فریدی کے بال پکڑ کر اُٹھانے کی کوشش کی لیکن جنبش بھی نہ ہوئی۔

"تم یوں نہ مانو گے۔" ریوالور والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھل نہ سکے۔ فریدی اُن کی گرفت سے آزاد ہو کر اُچھلا اور حمید پر آ گرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت زمین پر آ رہے۔ ریوالور والا چیخنے لگا۔

"خبر دار۔۔۔ خبر دار۔۔۔ گولی ماروں گا۔"

اب بالکل اندھیرا تھا۔ غالباً اِس کشمکش کے دوران میں ریوالور والے کے ہاتھ سے ٹارچ گِر گئی تھی۔ ریوالور والے نے ہوائی فائر کرنے شروع کیے۔ شاید اُسے ڈر تھا کہ اندھیرے میں اُسی کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اندھیرے میں جدوجہد ہوتی رہی۔ ریوالور والے کی آواز برابر سُنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پنجوں کے بل سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کار وہیں کھڑی تھی دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں کے اندر شور و غُل کی آوازیں سُنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے کار گھمائی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فائر ہونے شروع ہو گئے تھے جن کی آوازیں دُور تک سُنائی دیتی رہیں۔

"کیوں میاں حمید۔۔۔ ہو گئی نا اچھی خاصی مرمّت!" فریدی نے کہا۔ "وہ تو کہو۔ اس مردود کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اِس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔"

"بس اب مت بولیے۔۔۔چُپ چاپ چلیے۔" حمید نے کانپتے ہوئے۔

"ارے واہ میرے شیر۔۔۔بس اتنے ہی میں ہانپنے لگا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ٹھہریئے۔۔۔ جناب بھلا میں آپ کا مُقابلہ کب کر سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "دیکھئے میں نے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ لوٹ چلیے۔"

"اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سُراغ مل گیا۔"

"وہ کیسے"!

"اس کا جواب یہ ٹارچ دے گی۔"

"ٹارچ!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ کب سے بولنے لگی؟"

"اسی وقت سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس وقت یہ ٹارچ بہت قیمتی ہے۔"

”ذرا دیکھوں تو۔“

”ہوں ہوں، چھونا مت اِسے۔“ فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بڑی محنتوں سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کُشتی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اِس کی کافی حفاظت کی ہے۔“

”آخر کیوں۔“

”اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چربہ اسی وقت فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں اُتارا جائے گا۔“

حمید حیرت سے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

# گلاس کی چوری

دوسرے دِن صُبح فریدی، حمید اور سروج ڈرائنگ روم میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعے کی اطلاع کسی کو نہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کُود رہے تھے۔ وہ اپنی کارگزاریاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لیے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی بار اس نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اُسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد حمید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسبِ معمول چہک رہا تھا۔ بات بات پر لطیفے ہو

رہے تھے۔

"واقعی حمید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔" سروج نے کہا۔

"مجھ میں اتنی ہمّت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کر سکوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن مجھ میں اتنی ہمّت ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"آپ کی ہمّت کا کیا کہنا۔۔۔ بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبا، پیتل، گاٹ غرض کہ ہر قسم کی دھات مانتے ہیں۔"

سروج ہنسنے لگی اور فریدی صرف مُسکرا کر رہ گیا۔ اتنے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سروج کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ ٹھاکر دلبیر سنگھ کا خط ہے۔“

”فریدی صاحب تسلیم!

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج یہاں آنے پر رضامند نہ ہوتی ہو گی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے میں سروج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصّے میں مَیں نے اُسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہیئے تھا۔ مجھے سخت ندامت ہے۔ اگر سروج بوڑھے ٹھاکر کے منہ پر طمانچہ مار کر بھی اُس کی غَلَطی کو معاف نہ کر سکے تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ خُدارا سروج کو لے کے جلد آیئے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کر دے گی۔

فقط۔۔۔نادم دلبیر سنگھ۔“

سروج کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ ٹھاکر کے خط نے اس کے دل پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

"میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب۔ ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ سچ مچ وہ مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔" سروج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چلیئے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر صاحب سے ملنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے مل کر مجھے ایک طرح کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔" فریدی نے سگار سُلگا کر کش لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تو یہ ہے۔۔۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ پورا نہ کر سکا۔

"ہاں آپ کیا کہتے ہیں؟" سروج نے حمید سے پوچھا۔

"میں۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ ضرور جایئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد فریدی، سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جا رہے تھے۔

جیسے ہی کار سروج کے مکان کے پھاٹک پر آکر رُکی اُس کا گرے ہاؤنڈ کتّا دُم ہلاتا ہوا دوڑا آیا۔

"جیک۔۔۔جیک!" سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

آواز سُن کر ٹھاکر بھی چھڑی ٹیکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے موٹے موٹے قطرے۔۔۔ اس کا محبّت بھرا دل اُمڈ آیا تھا۔ سروج اس کے سینے سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جارہا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں روتے رہے پھر آنسو پونچھ ڈالے گئے اور ڈرائنگ روم دلچسپ تذکروں سے گونجنے لگا۔

"بھئی بہت تیز گرمی پڑرہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہیے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"میں ابھی شربت بنوا کر لاتی ہوں۔" سروج نے اُٹھتے ہوئے کہا اور باہر چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں شیشے کے خالی گلاس لایا۔ فریدی نے گلاس

ہاتھ میں اُٹھالیا۔

"کتنے خوبصورت گلاس ہیں۔" فریدی گلاس کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اب ایسی چیزیں کہاں۔"

اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سُنا کر رکھ دیا۔ فریدی اُن کی باتوں کو دلچسپی سے سُن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسوں کو اُٹھا اُٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا جارہا تھا۔

"بس جی چاہتا ہے کہ انہیں دِکھا ہی کیجئے۔" فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سُن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جارہے تھے۔ سروج جگ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاس بھر دیئے۔

شربت پینے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے جنگل کے متعلّق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور

حمید واپس جانے کے لیے تیّار ہو گئے۔ سروج اور ٹھاکر ان کے ساتھ پھاٹک تک آئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

”بھئی حمید مجھے وہ گلاس بے حد پسند آئے ہیں۔“ فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار روکتے ہوئے کہا۔

”تو گاڑی کیوں روک دی؟“حمید نے حیرت سے کہا۔

”میں ان میں سے ایک چُرانا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اُتر گیا۔ ”کیا مطلب!“حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبل پڑیں۔

”میں ابھی آیا!“ فریدی نے کہا۔

حمید کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔

”کوئی خاص زحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاس وہیں چھوڑ گئے تھے۔“ فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

# گود میں سانپ

دوسرے دِن صُبح فریدی اور حمید کوتوالی گئے۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر اُن کی طرف بڑھا۔

"آیئے انسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سدھیر نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہیے کوئی خاص بات۔"

"خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کانسٹیبل لے کر میرے ہمراہ چلیے۔" فریدی نے کہا۔

”خیریت!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔

”جلدی کیجئے! آپ کا شکار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

”اس لیے ہم لوگ جلدی میں ناشتہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔“ حمید جلدی سے بول اٹھا۔

”تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔“ سدھیر نے کہا۔

”کہئے کچھ منگواؤں؟“

”نہیں شکریہ۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیّار کرلیجئے۔ جلال پور“!

”جلال پور!“ سدھیر نے حیرت سے کہا۔ ”تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگالیا؟“

”قریب قریب۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بُلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آٹھ مسلح کانسٹیبل آ گئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کانسٹیبل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف تیزی سے بھاگی جارہی تھی۔

”ذرا مجھے کچھ پہلے سے بتا دیجئے تاکہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔“ سدھیر نے کہا۔

”میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اُٹھانی پڑے گی۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”پھر بھی!“ سدھیر نے کہا۔

”بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینی ہوں گی۔“

”یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتایئے کہ آخر قاتل ہے کون؟“ سدھیر نے بے چینی سے کہا۔

”گھبرایئے نہیں۔ ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”ذرا ہوشیاری سے رہنا۔“ سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

”ہاں بھئی۔۔۔ یہی وقت ہوشیاری کا ہے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”اور ذرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔“

”حمید صاحب کسی وقت تو ہم غریبوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجئے۔“ سدھیر نے کہا۔

”اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔“ حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر پچک رہی تھی۔

”ارے!“ حمید نے اچھل کر کہا۔ ”انسپکٹر صاحب آپ کی جیب۔۔۔“!

فریدی نے حمید کا شانہ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیٹ اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

"کیا بات ہے؟" سدھیر نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ یونہی ذرا۔۔۔"

"دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلبیر سنگھ کی کوٹھی کے سامنے پولیس کی لاری رُکی۔ سروج اور دلبیر سنگھ برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کانسٹیبل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلبیر سنگھ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔ "کہئے فریدی صاحب۔۔۔ کوئی تازہ مصیبت۔۔۔" ٹھاکر دلبیر سنگھ نے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ اِدھر سے گُزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔"

”خوب خوب!“ ٹھاکر دلبیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی اُنسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف رکھئے۔ ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔“

”گرمی بہت شدید ہے۔“ دلبیر سنگھ نے کہا۔ ”میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت پی لیجئے۔“

”جی نہیں شکریہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”قطعی خواہش نہیں۔“

”کہیے کیا بملا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلہ میں کہیں تشریف لے گئے تھے؟“ دلبیر سنگھ نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔کامیابی ہوئی۔“

”کیا میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں؟“ دلبیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

”کیوں نہیں!“ فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”ایک تو یہی اطلاع آپ کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رندھیر بملا اور ڈاکٹر ستیش کا قتل ایک ہی

آدمی کی ایما پر ہوا ہے۔"

"اچھا!" دلبیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ "واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی ساتھ حیرت انگیز بھی ہے۔"

"ٹھاکر صاحب۔" فریدی بولا۔ "کیا آپ مجھے بملا کا صحیح حلیہ بتا سکتے ہیں۔ مجھے اس کی لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔"

"بہت خوب!" ٹھاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اگر کوئی اندھا کسی کا حلیہ بتا سکتا ہو تو ضرور پوچھئے۔"

"تو کیا واقعی اب آپ کی آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا؟" فریدی نے پوچھا۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گذرا تھا۔

"فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔" دلبیر

سنگھ نے تلخ لہجہ میں کہا۔

"یقیناً!" فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہیے۔" دلبیر سنگھ نے اپنے غصّے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔" فریدی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"خیر۔۔۔ خیر!" دلبیر سنگھ نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔"

پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"فریدی بھائی۔ مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کب تک اُمّید ہے؟" سروج نے کہا۔

"بہت جلد!" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شُبہ رفع ہو۔" سروج نے مغموم لہجے میں کہا۔

"آپ لوگوں پر شُبہ۔۔۔ ارے لاحول ولا قوّۃ۔۔۔ آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ توبہ توبہ!" فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لہجے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلبیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"ارے سانپ۔۔۔!" ٹھاکر دلبیر سنگھ بے اختیار اُچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں رینگ رہا تھا۔ سب لوگ بدحواس ہو گئے۔

"سانپ دکھائی دیتے ہیں ٹھاکر صاحب!" فریدی نے ریوالور نکال کر ٹھاکر دلبیر سنگھ کی طرف تانتے ہو کہا۔ "خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

"تم نے اُٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

”سدھیر صاحب ہتھکڑی۔“ ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگادی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور بے نور ہو گئیں۔

”یہ آپ نے کیا کِیا فریدی بھیّا!“ سروج بے اختیار چیخ پڑی۔

”ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن۔۔۔ اب انہیں اندھیرے میں رہنے کی ضرورت ہے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”واللہ انسپکٹر صاحب آپ ماہرِ امراضِ چشم بھی ہیں۔“

”ارے ارے۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟“ سروج بے بسی سے بولی۔

”گھبراؤ نہیں۔۔۔ سروج بہن۔ شکر کرو کہ تم بچ گئیں ورنہ کچھ دِن تم بھی بملا کا ساتھ دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جاننا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملنا۔ میں گھر پر ہی ہوں گا۔“

ٹھاکر دلبیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”اُٹھیے سرکار!“ سدھیر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلبیر سنگھ جھلّا کر کھڑا ہو گیا اور ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر اس زور سے سدھیر کے سر پر مارے کہ سدھیر تیورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلبیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔

سروج چیخنے لگی۔

ٹھاکر دلبیر لاری میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

اسی دِن شام کو پولیس نے دلبیر سنگھ کے مکان پر چھاپہ مارا۔ کافی تلاش اور جستجو کے بعد آخرکار فریدی اس تہہ خانے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا جس میں دلبیر سنگھ نے کوکین بنانے کا کارخانہ قائم کر رکھا تھا۔ وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی۔

اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے فراغت پانے کے بعد وہ اور حمید ڈرائینگ روم میں آ بیٹھے۔ سروج پہلے ہی سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔" فریدی نے سروج سے کہا۔ "حالانکہ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تم اس جال میں پھنسنے سے بچ گئیں۔ اگر دلبیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا کہ تم اُس کے راز سے واقف ہو تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو بملا کا ہوا۔"

"لیکن آپ کو ان سب باتوں کا عِلم کیسے ہوا؟" سروج بولی۔

"جب مجرم میری گرفت میں آ جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہوں آسانی سے سب اُگلوا لیتا ہوں۔ صرف دلبیر سنگھ ہی اُس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اُس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف قسم کے بدمعاش ہیں۔"

"آخر بملا ان لوگوں کے جال میں کیسے پھنس گئی؟" سروج نے کہا۔

"اسی وقت سُنو گی۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "خیر سنو۔ ایک دِن جب تم گھر پر نہیں تھیں، بملا نے دلبیر کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی ہو

گی اور حیرت کی بات بھی ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلبیر سنگھ کو احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ بملا کو لے جاکر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جاکر دلبیر سنگھ نے زبردستی اُس سے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جارہی ہے اور معلوم نہیں کب تک اس کی واپسی ہو۔ دلبیر بملا کی تحریر لے کر اُسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ فوری کام اُس نے اِس لیے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی سرسری کارروائی کرسکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بملا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے نا یہی بات؟ دلبیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر ستیش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ستیش نے جو رائے دی اُس پر سب راضی ہو گئے۔ لہٰذا تہہ خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بملا اور ستیش کی ایک تصویر کھینچی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دکھلا سکوں۔ بہر حال بملا سے کہا گیا کہ اس نے دلبیر کا راز ظاہر کیا تو وہ تصویر اُس کے عزیزوں اور اس کے منگیتر کے پاس بھیج دی جائے گی۔۔۔ اتنا کچھ

کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اِسی دوران میں اُن کے ہاتھ بملا کے منگیتر کا ایک خط لگ گیا جس سے یہ ظاہر ہوا کہ شاید اُن دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ لوگ شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلبیر سنگھ نے ایک اسکیم بنائی۔ وہ یہ تھی کہ اگر رندھیر اور بملا اِس دوران غائب کر دیے جائیں تو اُن کے والدین یہی سمجھیں گے کہ شاید رندھیر بملا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ڈاکٹر ستیش بملا کا ہمدرد بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اُسی کے سامنے جلا دی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو کہ وہ تمھیں یہاں سے آکر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر ستیش نے بملا کو اچھی طرح اطمینان دلایا کہ وہ اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آرہا ہے۔ جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی اسکیم کا تعلّق ہے اِن لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ لیکن اور زیادہ پردہ پوشی کے لیے پولیس کو بھی اِس میں اُلجھا دینے کی اسکیم بنا کر سخت دھوکا کھایا۔ حالانکہ ان کی اسکیم بھی بڑی شاندار تھی، اُن کا خیال تھا کہ بملا اور رندھیر

کے اس طرح غائب ہو جانے سے بملا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم ہو گا کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے اس کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی اگر عین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری مدد نہ کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلبیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ڈاکٹر ستیش صاحب کانپور جا رہے تھے رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بملا کا خط ڈھونڈ کر اُسے جلا سکیں۔ راستہ میں مجھ سے مُڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے۔ جو اُس کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پلٹ آئے۔ اس نے اِس کی خبر دلبیر سنگھ کو دی۔ دلبیر سنگھ نے سوچا کہ اب اُسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہیئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اُگلوا لے۔ پھر دلبیر سنگھ نے مُجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تُم ابھی تک نہیں جانیں کہ مجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ دلبیر سنگھ ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے

جنہیں میں نے کاغذ پر اُتروالیا۔ مجھے دلبیر سنگھ پر شروع ہی سے شُبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا لیکن۔۔۔ ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاس چرالیا جس میں دلبیر سنگھ نے شربت پیا تھا۔ اس پر دلبیر سنگھ کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاس کے نشانات اور میری ٹارچ کے نشانات میں کوئی فرق نہ نکلا اور پھر آپ کے ٹھاکر صاحب آخر کار دھر لیے گئے۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ میرا کیا حشر ہو گا؟" سروج پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تنہا مالک ہو۔ دلبیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔"

"میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا

میرے لیے اتنا نہ کر سکتا۔"

"اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں؟" فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔

"میرا بھیّا۔" سروج نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبّت کے آنسو اُمڈ آئے۔

حمید نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ جھینپا جھینپا سا قہقہہ۔

ختم شُد